



مکمل ناول

ہوتی۔ پلک جھکتے میں سب کچھ ہو جایا کرتا۔ اگر زندگی ہالی وڈی کلم ہوتی تو میر کس، لارڈ آف دی رنگز، بوس آل ماٹی ہلو میں اور بیک ٹوڈی فیوجر کی طرح انسان کسی بھی قسم کا کارنامہ انجام دے سکتا تھا، سپر مین کی طرح از سکتا تھا، اس پائیڈ میں کی طرح بھی بھی چھلانگیں مارتا شرکے دوسروے کونے میں رہنے والی اپنی گل فرنڈ سے ملنے جاسکتا تھا۔ بوس کی طرح پلک جھکتے میں اپنی ساری خواہشات پوری کر سکتا تھا۔ بیک ٹوڈی فیوجر کے مائل بے توکر کی طرح ماضی میں جا کر سارے پرانے بد لے چکا سکتا تھا اور تو اور کیروں پینکوپ اور جو لیا جیسی قاتل ادا حسیناں کے ساتھ عیش کر سکتا تھا۔

"یار! زندگی ایک اسیخ کیوں ہے، فلم اسکرین یاں نہیں؟" ریموٹ کنٹرول سے اچھی طرح "کشتی" لڑنے کے بعد احمد نے اسے پرے پھینکتے ہوئے، "زار کو تقریباً سمجھوڑتے ہوئے یہ عجیب سوال سوال کیا۔" "اس لیے کہ اس صورت میں بھی تمہارے جیسا کوئی مہافارغ انسان یہے تکا سوال۔ اے، بیٹھتا کہ زندگی فلم کیوں ہے؟ اسیخ کیوں نہیں۔" اس نے اپنے ہونے والے اس حملے سے سنبھلتے ہوئے اپنا پنہ۔ تھیک کیا۔

"میں نے کوئی بے سکنی بات نہیں کی۔ سو جو اگر زندگی فلم ہوتی، اور وہ بھی ہالی وڈ کر، مگر قدر رنگارنگ



چاپلوسی کرنے لگا۔

"کیوں رنجیدہ ہوتی ہیں۔ میں ہوں نا، آپ کا سب سے اچھا اور پیار کرنے والا بیٹا۔ آپ بس میرے لیے دعا میں کیا کریں، مجھے جا بمل جائے۔ آپ کی ساری عمر کی ریاضت کا پھل دوں گا۔ دودو ملانا میں رکھ کے دوں گا۔ گاڑی بحث ڈرائیور۔ سونے کی بیکی بھی جیسیں۔ موئے موئے کڑے، بالکل سیمہانی لگیں گی آپ۔"

"چل ہٹ، شیخ چلی....." بھیکی آنکھوں کے گوشے متباہے بھرپور مسکراہٹ سے جنم گا اسٹھے۔ دل دوپے سے چھوڑ صاف کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"لپ باتیں نہ بننا جا، مجھے ابھی آٹا گوند ہنا ہے، روئی بنا لی ہے۔ تمہارے ابو آنے والے ہوں گے۔ نوابزادی کو بھی کھانا سجا کر کرے میں بھجوانا ہے۔ صبح سے سر درد کا بہانہ کر کے اندر لیٹی ہے۔ بخار جانپنے کے لیے تھرمایسٹر ہے۔ بلڈ پریشر بھی چیک کر کے تصدیق کی جا سکتی ہے۔ اب سر درد اصلی ہے یا جعلی یہ

خواتین ڈائیجسٹ کی طرف بہنور کیئے خوبصورت تھے،

فیروز پیشہ نگ ایک بڑا میدانی

شائع ہو گئی ہے،

خوبصورت سر درد قیدیہ زیب زینیں صفات، دکشن طبامت، قیمت صرف ۵۰۰ روپے
نیریڈاک بندوں کے لیے ۳۵ روپے سامنہ ڈال فریڈ،
ہمارے استھاکٹ:

مکتبہ عران ڈائیجسٹ، ارد و بزار، کراچی
+ تحریک نیوز ایمس فیریز بیکٹ، بصر درڈ کراچی

لادبیبیہ، لاہور، اکڈھے چوک اور بار لاہور
+ سلطان نیوز ایمس، بھکوم بارکٹ، لاہور

+ مظہیم ایڈنر، بھکوم بارکٹ، لاہور
+ اسلامی تسب خانہ، بصر درڈ بزار، لاہور

ہادی شہید، شرف بیک و بیسٹ، بھکوم بارکٹ
+ میڈیا، بہباد ان نیوز ایمس، بھکوم بارکٹ، لاہور

+ فیصل ٹاؤن، شمع بھٹال، بھکوم بارکٹ، فیصل آباد

مکتبہ عران ڈائیجسٹ، ارد و بزار، کراچی

پشن کے اٹھا میں سو آتے ہیں۔ ان اٹھا میں سو سے میں کھر کے سب بلوں کی اوایلیک اور یکن کے اخراجات نہ لتی ہوں۔ جو پوچھو تو گھر کے تمام اخراجات اور سودا سلف کا تقریباً "بوجہ احسن یہی ہے۔ احسن کے ان پہ ہزار کا بھی آسرانہ رہا تو چنی سے روئی کھا میں گے، اس لیے چنی در تک ہو سکتا ہے اس سے اور اس کی بیوی سے بنا کر رکھنا پڑے گھا۔ کم از کم جب تک تمہیں نوکری نہیں مل جاتی جس کے آثار دور دور تک نظر نہیں آرہے۔ یاروں سے فرصت ملے تو اس جانب دھیان دو۔"

"بات گھوم پھر کر میری بے روزگاری تک آجائی ہے۔ اوروں سے کیا گلہ، جب اپنی ماں بھی طعنے دینے میں کسی سے کم نہ رہے تو سے آخر بھی نہ کبھی مجھے بھی جاب ملے گی، اپ اس قدر ہاؤس کیوں ہوئی ہیں۔ بھائی جان کے فقط چھ بزار کے لیے آپ ان کا سب برا بھلا برداشت کیے جا رہی ہیں۔ مان گھنے بھی روپے کی ملاقت کو۔"

اس نے افسوس سے سر ہلاتے ہوئے جذباتی ڈائیگ جھماڑے جن کا می پہ کوئی اثر نہ ہوا۔

"ہاں ہوتی ہے روپے میں طاقت۔ تم بھی کما لو اور مان کو برا بھلا کہ لو۔ تمہارا بھی سلوک برداشت کرلوں گی بدلے میں چند ہزار جو۔"

کہتے کہتے ان کا گلار ڈنڈھ گا اور وہ چولما، ہانڈی، سب چھوڑ کر وہیں بیٹھ کر روپے آنکھوں پر رکھ کے رونے لگیں۔ احمد فوراً اٹھا۔

"اوہ، ہو ای! میں تونداق کر رہا تھا۔" ان کے شانے کے گرد بارزو پھیلا کر تسلی دیتے ہوئے اس نے ہانڈی کا بھی جائزہ چور نظریوں سے لیا۔ مژگوشت پک رہا تھا، ساتھ رکھ کر اسی میں ماش کی پھربری وال آخري مرحل میں تھی۔

"اچھا بھلا کھانا تو سے۔ ای بھی نہیں بس سے۔" وہ "مقدار و معیار" سے مطمئن ہونے کے بعد مزید ان کی

ہوں۔" احمد کی اس کے نئے مطالبے پہ بھڑک انھیں۔

"ہاں، میری شکانتیں ملی کھول کے کیا کریں۔ بھائی جان کی ساری باتیں پی جاتی ہیں۔ وہ کیا تجھے کرتے ہیں اور وہ ان کی چیتی نی نولی دیں، اس نے جو تازہ ترین کارنامے کیے ہیں وہ تو آپ نے ابو کو نہیں بتائے ہوں گے۔"

"اُن کو بتا کر کیا گھر میں ونگل کرانا ہے تمہارے ابو تو انتالی گرم مزاج ہیں۔ کسی نہ کسی سے لڑنے کا بہانہ چاہیے انھیں اور احسن تو شادی کے بعد سے رسیاں تزویز کے چکر میں ہے۔ اس کی بیوی مجھ سے تو منہ ماری کرتی ہی رہتی ہے۔ میں ہمیں چاہتی کہ سر کے سامنے جو اس میں برائے نام حیا اور لحاظ رہتا ہے، وہ بھی ختم ہو جائے۔ خبردار جو تم نے منہ سے ذرا بھی بھاپ نکالی تو سے نجاتے کس پر گیا ہے یہ بی جمالو۔ ساری

عورتوں والی عادتیں سے لگائی بھائی۔ اگر تم نے اپنے ابو کو پرسوں ہونے والے بھڑکے کے بارے میں پچھے بھی بتایا تو تمہاری خیر نہیں۔ میں اکیلی کافی ہوں ان دونوں میاں بیوی سے منشے کے لیے۔ اور تمہارے کہ مسئلہ ہی ختم کر دا لو۔"

"تو کر لینے دیں نا انھیں مسئلہ ختم۔ آپ کو ہی شوق ہے مسئلہ پالنے کا۔ میں تو کہتا ہوں ایک بار ابو کو آلنے دیں میدان میں۔ بھائی کا سارا دم ختم اور بھائی جان کی ساری اکڑوں دھری کی دھری رہ جائے گی۔"

"کسی کو کم نہ بھومیاں، تمہارا بھائی بھی ان ہی کا بیٹا ہے۔ اسے تو بھانا چاہیے یہاں سے نکلنے کا، سارا خاندان تمہارے ابو کے مقابلے مزاج اور بذبھی سے واقف ہے۔ سب ہی انھیں از امام دیں گے کہ ضرور سے وہ تمہارا پینڈو دوست ہاٹل چھوڑ کر فلیٹ میں رہنے لگا ہے، تم بلا ناغہ پلیٹ، بھر بھر کر وہاں لے جانے لگے ہو اور آج تو ایک کے بجائے تین افراد کا کھانا چاہیے۔ آنے والے اپنے ابو کو میں ان سے بات کرتی

ان کی بات یہ زائر نے تو تابعداری سے سرہادیا جبکہ احد لظیریں گھما کر "اتنے بڑے فلیٹ" کا حدود اربعہ تاپنے لگا جو فقط ایک کرے، عقب پہ ایک بالکل

نمایہریں اور سامنے ایک مختصر رآمدے اور واش روپہ مشتعل تھا۔ ٹیرس پہ پلاسٹک کی ایک چیز، مختصری نیبل، دلکھے، گونے میں لگے نکلے کے پاس پڑے ایک شب کے سوا کچھ نہ تھا۔ اسی شب میں ہر چھٹی واں دن زائر کپڑے دھوتا تھا۔ برآمدے کے ایک کو نے یہیں با تھر روم تھا، جہاں بمشکل کھڑے ہونے کی جگہ تھی۔

دد سرے کو نے میں چولما نکس تھا۔ ساتھ ہی دیوار پہ لکڑی کے عارضی نہتے لگا کر زائر نے ضرورت کے چند برتن رکھنے کی جگہ بنا لی تھی۔ چولہے پہ عموماً "چائے" آٹیٹس یا دال چاول ایالنے کی زحمت کی جاتی۔ زیادہ تر کھانا یا تو باہر سے آتیا الحد کے گھر سے جو اس مارکیٹ سے ذرا ترے والی ہاؤ سنگ سوسائٹی میں رہتا تھا۔

برآمدے کے عین درمیان میں پلاسٹک کی دو کریساں اور ایک لکڑی کی بے ڈھب سی میز تھی۔ اس پر نکلنے پلاسٹک کی شیٹ، بھا کر اس کی بدوضع سطح چھپائی تھی۔ "اتنے بڑے کمرے" میں دامن طرف ایک سنکلر میز، بامیں طرف رانٹنگ بیل، اس تک ساتھ ہیں کا ایک شاعت، گونے میں لی دی رکھا تھا اور اس کرے میں پاء بھی ایک اور مکین کا اضافہ کرنے والے تھے۔

احد نے سرداہ بھر کر اس کرے کی موقع حالت زار پہ افسوس کیا اور وہاں سے نکل آیا۔



"ایک تو یہ اچھی مصیبت ہے۔ تم پہلے ہی ایک کے بجائے تین بندوں کا کھانا کھاتے تھے، اب جب سے وہ تمہارا پینڈو دوست ہاٹل چھوڑ کر فلیٹ میں رہنے لگا ہے، تم بلا ناغہ پلیٹ، بھر بھر کر وہاں لے جانے لگے ہو اور آج تو ایک کے بجائے تین افراد کا کھانا چاہیے۔ آنے والے اپنے ابو کو میں ان سے بات کرتی

فہمی کو گاہے گاہے دھچکے تب لگنے شروع ہوئے جب
احد نے ہفتہ میں رواہر نہ صرف راتیں یہاں پر گزاری
شروع کیں بلکہ وہ سارا سارا دن بھی اکٹھی میں ہوتا۔
کیمسٹری میں ایم ایس کی کرنے کے بعد سے وہ

پکڑے الماری میں ٹھکانے لگا اور کبھی بہت موڑ
میں ہوتا تو نکروالی دوکان سے مرغی کا گوشت لا کر چکن
کردا ہی بھی بنا دیتا۔

یہ الگ بات کہ اگلے روز زائر کو ہی گوشت کے پیے
چکانے پڑتے۔ کبھی کبھی وہ گھر سے اپنا اور اس کا کھانا
بھی میں لے آیا کرتا۔ یہ اس کی واحد حرکت تھی
جس پر زائر کا دل خوش ہو جاتا۔ ایک عرصے سے
ہائلوں اور چھپرمارکہ ہوٹلوں کے بعد منہ کھانے کھا کھا کر
اسے اب گھر کی پی سادہ والی روٹی بھی کسی نعمت سے کم
نہ لگتی تھی۔ وہ اس پر اتنا مغلکوہ ہو تاکہ الناحد شرم منہ
ہو جاتا۔

آج بھی اس نے دیکھا کہ اس کے پابرجی بمع ایک
عدو نے نویلے مہمان کے، اس سے ملنے آئے ہیں تو وہ
زائر کو کچھ نہ پکانے کا کہتے ہوئے وہاں سے نکل آیا
لیکن اسی نے ہزار مشکلوں کے بعد یہ ایک ایک پلیٹ
سالن دیا تھا۔ اب چار بندے اور دو پلیٹ سالن۔
مجуراً اسے موسوں بھا بھی کو ”بھا بھی مان“ بنان پڑا۔



پچھلے ایک گھنٹے میں یہ تیراٹشو پیر تھا جو ضویا نے
چمکوں چمکوں روئی نورین کو تھما یا تھا۔ اب تو گراونڈ
میں آتی جاتی لڑکیاں بھی ان دونوں کو معنی خیز نظروں
سے دیکھ رہی تھیں۔ ضویا کچھ پریشان کی ہو گئی۔ اس
بار اس نے ہمدردی یا پیار سے اسے چپ کرانے کی
کوشش کرنے کے بجائے سختی سے کہا۔

”بس بھی کرو نورین! سب لڑکیاں دیکھ رہی ہیں۔
پا نہیں کیا کیا قسمے بنائیں گی۔ اب بند بھی کو دیہ رونا
وhtonai۔“

”تمہیں تو ہر وقت یہی فکر گلی رہتی ہے۔ یہ کیا
سوچ گا، وہ کیا کے گا، میرے دکھ کا اندازہ نہیں ہے۔
بس یہ ہے تمہاری دوستی۔“ اس نے سرسر کرتی تاک
زور سے لوچھہ کر کھا۔

”کیسا دکھ؟ پاگل! ہو تم نورین! وہ تمہیں چھوڑ کے تو
نہیں بھاگ لے اس کی کہیں اور شادی ہو رہی ہے، نہ
پسکھے اور کھڑکی کے جا لے اتار دینا، محل کے رکھے

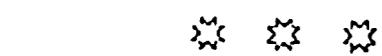
لیٹئے، سونے ٹیرس پر کھڑے ہو کے تاکا جھانکی
کرنے، نیٹ چینٹاگ اور لی وی سے دل بھلانے کے
بعد اگر وقت بچتا اور جی چاہتا تو احمد زائر کے چھوٹے
موٹے کام بھی نمٹا دیا کرتا۔ اس کی کتابیں سمیٹ دینا،
پسکھے اور کھڑکی کے جا لے اتار دینا، محل کے رکھے

”یا لندن جا کر بس رہا ہے جو تمہیں اس کے جاتے“
”کبھی کبھی تمہاری باتوں سے لگتا ہے کہ تعلیم نے
تمہارا نہ پچھہ سنوارا رہے، نہ بگڑا ہے۔ تم انسپریس تو کیا
مُل بیس بھی نہیں لگتیں۔ آج کل کے زمانے کی لڑکی
ہوا رہا تسلی پچھلی صدی والی کرتی ہو۔“

”میں آج کل کے زمانے کی لڑکی ہوں۔ وہ تمہارا منگیتھے ہے،
ازن ہے اور تمہاری اس سے منٹھی آج سے
ال پہلے ہوئی تھی، جب تم صرف چھ سال کی
اور یہ رشتہ بھی دٹے ہے کا ہے، یعنی اس کی اپنی
ماری بھا بھی سے تم اسے اور وہ تمہیں پسند
نہیں لے پھر یہ دکھ کم بخت کہاں سے نیک آیا۔ وہ
کے لیے گیا ہے، زیادہ سے زیادہ دو دھانی سال
ہو جاتا۔

”جسے تم میری دیوانو سیت کہتی ہو، وہ میری پاکیزگی
اور حیا ہے اور جسے تم نگ ذہنیت کہتی ہو، وہ میری
شرافت اور روایات کی پاس داری ہے اور یہ جسے تم
اپنی ماڈر ن سوچ کر دانتی ہو، وہ سراسر تباہی کا راستہ
ہے۔“

ضویا نے جتا کر کھا۔ وہ بخوبی سمجھ گئی تھی کہ نورین
نے اسے دیوانو سیت کا طعنہ کس لیے دیا تھا کیونکہ ضویا
اس کا اپنے منگیتھے سے جھپٹ چھپ کر ملنا پسند نہیں
کرتی تھی اور اکثر ویشور دنوں میں اس مسئلے پر بلکہ
پھلکی جھپڑ پہ جایا کرتی تھی۔ ان حرکتوں پر سخت
تالاں ضویا اس دوستی کو برقرار رکھنے پر مجبور گئی کیونکہ
بچپن کی یہ دوستی اب عادت بن چکی تھی۔ دونوں کے
گھر ساتھ ساتھ تھے۔ کلچ کے علاوہ بھی دن رات کا
ساتھ تھا۔



احد اگلے ہی روز کی ڈی پلیسٹر زائر کے فلیٹ پر اٹھا
لایا۔ ساتھ میں دو نئی لکھ اور ایک انڈین موسوی کی
سی ڈی بھی تھی۔ ظاہر ہے کہ گھر میں یہ شوق آزادی
سے پورے نہیں ہو سکتے تھے۔ اسی تو اسے کسی بھی
ایسی مصروفیت میں مکن دیکھ کر اس کی پر فکری گھریلو
اتھا شوق چڑھا ہے خالو کو۔ اچھا بھالی اے کر تو
ایر غلی نے، آخر کو تو زینیں ہی سنبھالنی ہیں پھر یہ
اے کرانے کی کیا تک تھی اور میرا بی اے گرنا بھی
مُری نہیں تھا۔ یوں کوشہر کے مقابلے میں کم
الساہ، وہاں چاہیے۔ وہاں اے، میں انسپریس۔ کیا تھا
ان سال جماری شادی ہو جاتی پھر ہم امکنے لاہور

کم تو بھائی جان بھی نہ تھے یوں کی غیر موجودگی میں
اس تجیز کا سی ڈی پلیسٹر اس کے کرے میں دیکھ کر وہ

تحا۔ اسپورٹس چینل پر فٹ نیس پروگرام آرہا تھا۔ جار
کرتی تھیں جسم والی تبلیغی مکملی دو شیزائیں ایر و بیکس
کر رہی تھیں۔ وہ فل والیم پر ان کی کسرت دیکھے رہا
تھا۔ جب پاٹی جی نے زور دار انٹری دی۔

"واہ جی، آج تو واحد باؤ آیا ہوا ہے۔ آجا شیر و پیڑ،
اندر لنگ آ۔" ان کے پیچھے پیچھے ایک اور انٹری ہوئی،
بندے میں بولا مگر زار قطعاً "متاثر نہ ہوا بلکہ اپنی کتابیں
نیو انٹری۔ عمر چھیس سال میں سال، لندے کی جیزیز
یعنی لگا۔

جس پر بڑے دل فکار شیوں چسپاں تھے۔ آئی لویو،
تیربار کہ دل وغیرہ جیسے اسکن ناٹ بلک شرٹ میں
اس کی منی بی تو ند بھی ناٹ ہو رہی تھی۔ لفے میں
چین بالکل زیبردار کہ۔ ایک کان میں بالی ہردن تک
لبی لیں۔ ایک کلائی میں چکتی گئی۔ دوسرا میں
اس سے بھی چکتا برسلٹ، رنگ صاف، قد لمبا،
آنکھیں بڑی اور خاصی ہوشیار قسم کی۔ احمد نے دلپی
سے اس نئے کیرکیٹ کو دیکھا۔

"اوئے کدھر گنا زار؟ اس کے تو پرچے ہونے
والے تھے فلم شلم دیکھنے تو نہیں چلا گیا۔"

پاء جی کو اس کی غیر موجودگی سے اندیشے لاحق
ہوئے۔ اس سے پہلے کہ احمد اپنے اندر بھر کتی انتقام کی
اگل کوٹھنڈ اکرنے کے لیے کسی شر انگیز کارروائی کے
بارے میں سوچتا، زائر اپنے پاء جی کی نکر آمیز آواز سننے
ہی ٹیرس سے بھاگا بھاگا آیا۔

"شاوا بھئی، پڑھائیں ہو رہی تھیں۔ احمد باؤ! تم
بھی پڑھا شڑھا کرو۔ یہ لی وی فلمیں کوکھ نہیں کام
آتے، پڑھائیں کام آتی ہیں۔ زائر پہ شیرو ہے، چاچے
صدیق تی سالی کا پتر۔ بھئی اپنی چھولو چاچی کا بھاگنا
اپنا ہتھی کا کاہا ہوا۔ اسے بھی اوھردا خلدہ مل گیا ہے۔ بڑا
لائق فائق ہے۔ اوھر سالکوٹ سے ہی لی اے کیا
ہے۔ اب آٹھ رہنے کے لئے لاہور داخلہ لیا ہے۔
چاچے نے سوچا، ایویں بے فضول میں ہائل کے
کڑائے بھرے گا۔ زائر کے ساتھ رہ لے گا۔ میں نے
بھی کہا۔ سو، کم اللہ، جم جم رہے۔ زائر بھی تو اتنے بڑے
فلیٹ میں "کلا" (اکیلا) رہتا ہے۔"

بڑا بیاند سا مکھڑا تمہیں اونٹ کی شکل جیسا لگ رہا
ہے۔ تم ایک سنگ دل، کھنور اور احشامات و جذبات
سے عاری انسان ہو جس کے پاس ان دل جلا کے راکھ
اے۔ یعنی والی ازیت ناٹ کتابوں کے لیے تو وقت ہے گر
اپنے یار کا حال دل سننے کی فرصت نہیں۔ "وہ گلوکار
بندے میں بولا مگر زار قطعاً "متاثر نہ ہوا بلکہ اپنی کتابیں
یعنی لگا۔

"تمہارے دل کا حال مجھے "منہ زیلان" یاد ہے۔
لئی ریما شیمانے یا سوینی پریٹھی نے ٹھینگا دکھار دیا
ہے، گاہی پاچھوڑے ہاں وہ نیٹ پہ آج کل کون سی بھی گھیر
رہے تھے تم۔ کیا وہیات ساتھ تھا، ہاں موئیلا۔
لٹتا ہے اس سے ملنے کے ہو گے اور وہ موئیلا کے
وابی "منہ زیلان" نکل آئی ہو گی۔ جیسے پچھلی بار روشنی
کر جائے راشر بھٹی نکل آیا تھا۔ اور خبردار، میرے
پیچے مت آتا ہیں پناہ لینے ٹیرس پہ جارہا ہوں۔"

"مر و تم اسی ڈربے میں" ٹیرس پہ میں چلا جاتا
ہے۔" "ہرگز نہیں، مجھے اس فلیٹ سے نکلاوا ہے کیا۔
اپنے محلے میں تو تم ہر اس گھر سے لعنتی ہے ہی چکے
ہو، جہاں جہاں لڑکی نام کی مخلوق یا می خالی ہے۔ اب
میرے فلیٹ کے ٹیرس کو مورچہ بنانے کیلئے مکھیں کی
نوشش کی تو مجھے اس ٹھکانے سے بھی محروم
کرو گے۔"

اس نے سخت انداز میں تنبیہ کی۔ اس کے
ہانے کے بعد احمد نے پھر سے ریکوت اٹھالیا۔ ایسا
ٹھیں تھا کہ وہ زائر کی دھمکی سے ڈر گیا تھا بلکہ حقیقتاً
اپسے اس روکھے پکیے ٹیرس سے کوئی دلچسپی ہی نہیں
فی، جس کے سامنے مارکٹ کا وسیع کراونڈ تھا۔
رامیں طرف ایٹھیٹ اپنی بھی دلے آس کی بیرونی
بالکنی تھی تو بائیں طرف والے فلیٹ میں ایک عمر
رسیدہ نر سر ہتھی بھی جس کے تیور اتنے خطرناک اور
زرا تم اتنے بھایاں تھے کہ احمد نے اسے عمر رسیدہ
نر کے بجائے "خیزم رسیدہ نر" کا خطاب دیے رکھا
فلیٹ میں "کلا" (اکیلا) رہتا ہے۔"

"مپنی فلموں میں کیا کم پوچھاں ہماری جاتی ہیں۔ متو
جسٹ کوہی دیکھ لو۔ مال اپنے گھر سے حلچاڑی تھی
اور جسٹ صاحب دوسرے پنڈ میں بیٹھے بیٹھے کن لیتے
تھے اور اپنے اڑیل ٹھوکو دوڑاتے پل بھر میں وہیں
موجود۔ گولیاں تو گولیاں، بڑی جھٹے، نیزے، چھپے
تک۔ سب اوزارو، تمہارا انہے آزنائے جاتے تھے
ریشمی کرتا ہون سے پھردا ہوا اور لمبا ہو جاتا تھا۔
مھنگھڑیا لے بالوں والی دلگی بھی ہو سے ترستے۔ مگر
ہمت میں کمی نہیں آتی تھی اور وہ تمہارے سپریٹ
اسپاڈر میں کیا بیچتے ہیں، ہمارے مولا جٹ کے سامنے۔
وہ تو چھپے چھاتی چھلا نکلیں مارتے ہیں جبکہ ہماری پنجابی
چھلا نکلیں، میوزیکل چھلا نکلیں ہوتی ہیں۔ ہر چھلانگ پر
دل دھلا دینے والا میوزک بجتا ہے۔ ڈھشوں
ڈھشوں سے فشوں پاؤں۔ اور گھونسہ، اس کے
ساونڈ انکٹ کی اوبات ہی زالی ہے۔ اگر دل گھونے
سے آٹھ نہیں، ہو تو اس کی آواز کی دہشت سے تو
ضرور ہی فوت ہو جائے گا۔"

"اپنے پاس رکھو تم اپنا مولا جٹ، اس کے سارے
کارنامے ایک طرف اور اس کی ہیروئن کی عبرت ناٹ
ادا اس ایک طرف۔ اتنا لیرے تمہارا مولا جٹ تو سینہ
تکن گرم مقابل کیوں نہیں آتا اپنی ہیروئن کے مولا
جسٹ کا سلطان رہی ہو، پوچھا ہو ریلہ کا شن یا کوئی بھی اور
طرم خان، منہ چھاتا پھرنا ہے اپنی زور اور ہیروئن
کے۔ وہ اور تمہارا مارتا ہے، یہ صاحب اور سرخ
پلے ہیں۔ نہ بھئی! مجھے ایسی خوفزدہ کرنے والی، ہیروئن
پیس چاہیے۔"

"بس، بہت ہو گئی تمہاری اول جلوں بکواس۔ اب
مجھے سکون سے بڑھنے دو۔ خبردار جواب یہ اونٹ کی
تھو تھنی جیسا منہ کھیلا تو۔" اس نے پھر سے چشرہ
درست کر کے کتاب، کھول۔ اچانک، ہی کل ہونے
والے ٹیسٹ نے اپنا آپ بھر پور طریقے سے یاد کرایا
تھا۔

"تمہارے چشمے کا نمبر بڑھ گیا ہے بڑے بیاں!

"تمہاری طبیعت آج ٹھیک نہیں لگ رہی ہے،
کتابیں سیٹھو اور کمبل تان کے سوجاو۔" زائر نے
ملخصانہ مشورہ دیا جسے خاطر میں نہ لاتے ہوئے وہ اپنی
ہی کہنے میں مکن رہا۔

"چلو ہالا وڈی کی نہ سی، بالی وڈی کی فلم ہی ہوتی
زندگی میں ایک لائف میں کیا رکھا ہے خوف، ڈر،
اندیشہ۔ امتحان میں فیل نہ ہو جاؤ۔ اگر نقل کر رہا
ہوں تو پکڑانہ جاؤں، اگر کسی اڑکی کے ساتھ ریسورٹ
میں بیٹھے ہوں تو کسی نہ کسی کے دیکھ لینے کا درس۔ اگر
چلتے لوگوں کے چھتر پڑنے کا درس، کرائے کی بائیک
دوستوں کے ساتھ حانتے ہوئے ایک سینڈن ہونے کا
ڈر، کسی سے ادھار مانگتے ہوئے انکار سننے کا ڈر۔"

"بالی، بس نہیں ہے تو تمہیں میرا کوئی ڈر نہیں
ہے۔ حالانکہ اس وقت تمہیں صرف اور صرف مجھ
سے ڈرنا چاہیے کیونکہ میں نہیات سنجیدگی سے
تمہارے قتل نے بلکہ جارحانہ قتل کے طریقوں پر غور
کر رہا ہوں۔"

"ہائے۔ کاش واقعی زندگی بالی وڈی کوئی فلم ہوتی،
اس کے ہیرو تمہارے جیسے للو بخو کے مارنے سے
نہیں مرتے ہاں دیو دا اس کی طرح عشق میں جان دے
دیں تو اور بات ہے۔ وہ کیا نہیں، ہو تو اس کی آواز کی دہشت سے تو
ہے، چاہے بائیک اٹھا کر چالیں فٹ اور پے چھلانگ
مار لو، چاہے بھری محفل میں ہیروئن کی بانہوں میں
بانیں ڈال کر بھر کیلا سا گیت گالو، چاہے اس کے ساتھ
بھرے بازاروں اور پرلوں سرکوں پر اچھلتے کو دتے
پھر گوئی ڈر نہیں، کوئی خوف نہیں، حد تو یہ ہے کہ دس
بارہ گولیاں بھئی اگر تمہارے جیسا کوئی حد کامرا، یعنی
میں اتار دے تو ہیروئن کی جمال نہیں کہ وہ مر جائے۔"

"تو ہالی وڈیا بالی وڈی تک کیوں جاتے ہو۔" ہیمشہ کی
طرح احمد اس کا دھیان پڑھائی سے ہٹانے میں بالآخر
کامیاب ہو گیا تھا۔ اور وہ نا محضوں طریقے سے اس کی
بے سرو گانگتوں میں حصہ لینے پر مجبور ہو گیا تھا۔

آپ کو ایک پر سکون گھر میسا کرنے کے لیے میں اپنا ناکارہ اور فضول وجود کس جنم میں جھوکوں۔“
ای آخر ماں تھیں، ان باتوں پر اور احد کے لجے سے پکتی بلوسی سے دل کے رہ گئیں۔
”اللہ نہ کرے، کیسی باتیں کرتے ہو۔ بھاہی ماں کی جگہ ہوتی ہے، اس کے کتنے کا یہ مطلب نہیں تھا۔ بس تمیں سمجھا رہی تھی کہ وقت ضائع۔“

”وقت نہیں امی! میں خود ضائع ہو رہا ہوں اور شاید آپ سب کی امیدیں بھی ضائع ہو رہی ہیں، جو آپ اولاد کے پیدا ہوتے ہیں اس سے وابستہ کر لیتے ہیں۔ آپ کے برسوں تک کیے جانے والے پیار وی جانے والی توجہ اور خرچ ہونے والی رقم کا مقابل صلح جو ہیں مل رہا۔“

”انسان درخت لگاتا ہے تو اس پر کہ اس کا پھل نہ سی، کم از کم سایہ تو ملے۔“
انی پشت پر ابوکی کڑک دار آوازن کراس کاسارا طیش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ ابو کے غصے سے اس کی جان جاتی تھی۔ اس نے غائب ہونے میں ایک منٹ کی دیر نہ لگائی۔ ابو نے پچھے سے رعب دار انداز میں پکارا بھی لیکن اس نے عائیت اسی میں جانی کہ کان پیش کر کرے میں چلا جائے۔

”کم بخت خود کو تو کسی کام کا اہل نہیں ثابت کر سکا اور ماں باب کی نیت پر الزام دھر رہا ہے۔ امیدیں ہونسیں میں ان باؤں میں سے ہیں جو اولاد کا منہ تکتلتے رہتے ہیں۔ صبح سے شام تک گھر حاکر چاپیے کماتا ہوں۔ ابھی کچھ کرتا کرانا نہیں تو اتنا پھل اچھل کرمان کے آگے بول رہا ہے۔ اللہ نہ کرے جو بھی ہمیں اس کے آسرے پر رہنا پڑے۔ یہ تو بڑے سے بڑھ کر بے دید ثابت ہو گا۔ اللہ میرے ہاتھ پیر سلامت رکھے۔“ آخری دم تک چلتا پھر تارکھے۔“

”آمین۔“ ای نے ان کا غصہ شمنڈا کرنے کی خاطر شرتوں کا گلاس پیش کیا۔ انہوں نے شرتوں کے بڑے بڑے گھونٹ بھر کے سلسلہ کلام وہیں سے جوڑا۔

”سب تمہاری ڈھیل ہے زیدہ! اسی دن میرے

آخر آپ یہ بھائی جان کے دیے چھہ ہزار روپوں کا خیال کیے ہو گئیں کسی کے خدا کو اٹھلے سوال روکنے پائی۔

”لیکن نورین! تمہاری بابی کیسے مان گئیں۔ انہوں نے یہ گوارا کیسے کر لیا کہ تم ایکیں اس کے ساتھ کرے میں اتنی دیر پیٹھی رہیں؟“

”لیکن شیرود کوئی غیرے کوئی راہ چلتا لفڑا ہے فرشت کرنا ہے، میرا بچپن کا ملکیتی سے اور بابی اب تک جیسی نہیں رہیں بدل گئی ہیں۔ ان کی بھی تو بچپن تک متمنی تھی۔ بابی میڑک کے امتحان میں ایک پرہیں میں ذرا سے نہبوں سے رہ گئیں تو کسی نے دوبار امتحان دلوانی یا آگے بڑھانے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ ادھر رفع بھائی جان ڈگریاں لیتے رہے۔ شیرود کی طرح وہ بھی لاہور پڑھنے گئے تھے، پنجاب یونیورسٹی میں۔ وہاں سے آگر بابی جیسی سیدھی سادی بیوی کمال نظریوں میں بچتی، اسی لیے میں شیرود کے جانے پر اتنا رورہی تھی کہ اب وہاں یونیورسٹی کی مادرن لائیوں کے ساتھ پڑھنے اور روکتی رکھنے کے بعد اس کی نظریوں میں کمال بچوں گی، لیکن اصل بات یہ ہے ضویا! کہ اسے مجھ سے محبت ہے، اب وہ کچھ بھی کر لے، مجھ سے جان نہیں چھڑا سکتا۔“ وہ ہنسی اور پھر انکشاف کیا۔

”پتا ہے بابی، اپنے تجربے کے بعد ہی مجھے خود آگے کر رہی ہیں تاکہ میں شیرود کو قابو میں رکھوں، اس سے ملتی رہوں تاکہ اس کا دھیان کسی اور کی طرف نہ ہزار آنکھ کی تھی کہ چور شرایا شروع ہو گیا۔ پتا نہیں اس کا دل کیوں نہیں چھڑا بھر میں بیٹھے بیٹھے۔

”تو یکا کروں، کہاں جاؤں۔“ وہ سامنے رکھی پر ات کو ٹھوک کر تا اٹھ کھڑا ہوا۔

”مزاروں پر جا کے بیٹھ جاؤں، قبرستانوں میں چرسیوں کے ساتھ وقت گزارنا شروع کر دوں، فٹ پاتھ پر فقیروں کے ساتھ دن گزار لیا کروں۔ بتا میں،

وہی بابی تھیں جو شادی سے مسلسل بلا جھنگی نورین کو کبھی بات پر پیش کرنا کرتی تھیں پھر اس وہ اتنی آنکھ خیال کیے ہو گئیں کسی کے خدا کے خاک ہو جائے، اسی لیے تو میں نے ہواتک نہیں لکھنے دی بھاہی کو۔“

”ان کے ساتھ ملنے گئی تھی تو ان سے چھپا کے تھے کیسے لے آئی؟“

”اتی بے دقوف نہیں ہوں میں۔ میں نے تو بھاہی پہ یوں ظاہر کیا جیسے میں ان کے بے حد اصرار پر مجبوراً نہ چاہتے ہوئے شیرود سے مٹے جا رہی ہوں اور بھاہی بھی کوئی احمد تھیں جو مجھے لے کر پار کر دیغرو میں چلی چاتیں۔ بھائی مجھے تو چھوڑ دیتے شاید مگر ان کی خیر نہیں تھی بلکہ وہ تو مجھے ان کے ساتھ نکلتے دیکھ کر ہی لٹک جاتے۔ ایسے شاطر دماغ ہیں اور کیوں نہ ہوں؟“

اپنے اپنے وقوف میں سب ہی یہ کھیل اچھی طرح کھیل چکے ہیں، اس لیے بھاہی کے ساتھ ساتھ بابی بھی اس راز میں برابر کی شریک تھیں۔ بابی نے فون کر کے مجھے اور بھاہی کو اپنی طرف بلوایا تھا، یہ کہہ کر کہ اس کے سرال والے کسی لعزیت کے سلسلے میں گوجردہ جا رہے ہیں۔ وہ چونکہ چلے میں تھی، اس لیے دن بھر اکیلی نہیں رہ سکتی۔ بھائی خود مجھے اور بھاہی کو بابی کے دروازے پر اتار کے آیا۔ اس کے سرال والے واقعی گوجردہ تھے ہوئے تھے۔ وہ شیرود آیا اور بابی کے ڈرانگ رومن میں ہم تقریباً دو گھنٹے تک سباتیں کرتے رہے۔ اس کے کنے پر ہی میں نے بھی بھاہی کی نظریوں میں آنے سے پتلے ہیں یہ سارے تھے صوفی کے پیچے چھپا دیے۔ بابی تو بتا آئی تھی، کل وہ چلہ نہانے کے بعد یہاں رہنے آئیں تو سارے تھے بچھے دے دیے۔ ابھی رکھا تھا ہوں گے۔“

وہ دروازے کے اچھی طرح بند ہونے کا طینان کھانے کے بعد الماری سے تھے نکالنے لگی اور ضویا اسی طرح منہ کھو لے جیران پریشان بیٹھی رہی۔ اس بھی باندھ کر اپنے ساتھ رکھ لے، اپنا نہیں بناسکتا۔“

مگر کیسے کہتی ایک جھنگ مانع تھی۔ نورین بھی رہی۔“ جسادی تی کہ تم کیا جانو محبت کیا ہے، تم نے کیسے محبت؟ میں تو نورین کی بابی نبیلہ کا گردار بھی نہیں آ رہا تھا۔ یہ سوہنے چپتی رہی اور اس کے تھانوں دیکھنے لگی۔

کیسے پاچلے۔

بس دوپہر ماتھی پہ باندھا، شکل پہ شکار بر سالی اور سارے کام چھوڑ کر ہائے ہائے کرتے لیت گئے۔

"بہت غلط حرکت ہے، اسی لیے تو تمہرہ ہوں۔ ابو سے بات کریں، دو منٹ میں سارے درود بھاگ دیں گے۔ آپ کی عمر تھوڑی ہے سارا دن کام کرنے کی۔" "پھر وہی بات خبردار جوان سے پچھہ کہا۔ اور میری عمر کا بڑا دعیان سے تمہارے ابو مجھ سے آٹھ سال بڑے ہیں اور دو دو مگنی بدل کر شوش پڑھانے جاتے ہیں۔ ان کا بھی خیال کیا تھا۔ بار بار دھمکیاں تُس بات کی دے رہے ہو۔ کیا اس کی امید ہے کہ تمہاری دھمکی کے رعب میں آگر میں تمہارے مفت خور دوستوں کے لیے ترے سجاوں گی۔"

"کیا صحیح پہچانا ہے؟" وہ ماں کی معاملہ فرمی پہ اش اش کرنا ہما۔

"لیکن ای! میں آپ کو بلیک میل کرنے کی نیت سے نہیں بلکہ صحیح آپ کی ہمدردی میں یہ بات ابو کو بتاؤں گا۔ دیکھیں، کب سے آپ کام کر رہی ہیں؟" وہ موس بھابھی نے میچنگ دوپہر سپہ باندھ رکھا تھا۔

"کمال کرتی ہیں بھابھی میں! میرا نہیں کام طلب تھا کہ آپ کا سرور آپ کے دشمنوں کو انھیں بہت ہو۔ او ہو۔ آپ کا تواتر سامنے نہل آیا۔" اس نے دنوں ہاتھوں کو چار ٹکو کے تزویز کے برابر پھیلاتے ہوئے تشویش ظاہر کی۔

"وہ تو ہوتا ہی تھا۔ منج سے سرور سے ترب رہی ہوں۔ احسن سے اتنا ہوا کہ مجھے میری امی کی طرف ہی چھوڑتے جائیں ہائے۔"

"تو فکر کس بات کی ہے، آپ کا یہ لاڈلا دیور کس دن کام آئے گا بھابھی میں! آپ تیار ہوں، میں رکھ لے کر آتا ہوں بلکہ تیار کیا ہوتا وہ یہ پیازی سوت اور اس پر گولڈن گولڈن موتوں کا کام۔" کتنا جھ رہا ہے یہ۔

چلیں جب تک میں رکھ لے کر آتا ہوں، آپ میک آپ درست کر لیں اور یہ دوپہر سرے کھول کر شانوں پر پھیلایں۔ سرے ایسا کریں، دوسرا کوئی دوپہر باندھ لیں گولڈن بھی چلے گا۔"

"احسن ناراض نہ ہوں کہیں ہا۔"

"تھاراٹش تو آپ کو ہوتا چاہیے، آپ کا شوہن ہماری میں آپ کو اکیلا چھوڑ گیا، سرال میں کوئی سردا بانے والا نہیں۔ ساس نے دوپہر کے ڈیڑھ کے تک کھانا میری یادداشت میں بھی بہت سے قسمیں ہیں، انہیں پوچھا اور سرور سے آپ کا ہارپ قبیل ہوئے والا نہیں سنائے گو۔ سمجھے۔"

وہ بھی اصر اعلیٰ کی امی تھیں، جوال و حملکی دے کر ایک پلیٹ میں مزگوشت اور دوسری میں دال نکال دی۔ وہ چپ چاپ ٹرے میں پلیٹیں رکھنے کے بعد چھوٹا پیالوں میں اچار اور سادہ نکالنے لگا۔

ترے سے بین سے لے جا کر پر آمد سے میں رکھی، نیبل رکھنے کے بعد اس کا رخ بھابھی کے کمرے کی جانب تھا۔

"سنا ہے دشمنوں کی طبیعت ناماز ہے۔" مُؤبدانہ دریافت کیا گیا مگر اس کی صریح و پر تلف اردو میزک پاس بھابھی کے سر سے گزر گئی۔

"ہاں دشمن ہی تو ہوں، کہم لو تم بھی مگر میں پوچھتی ہوں، اب تمہارے ساتھ کیا دشمنی کرڈا میں نہیں۔" موس بھابھی نے میچنگ دوپہر سپہ باندھ رکھا تھا۔

"کمال کرتی ہیں بھابھی میں! میرا نہیں کام طلب تھا کہ آپ کا سرور آپ کے دشمنوں کو انھیں بہت ہو۔

اوہ ہو۔ آپ کا تواتر سامنے نہل آیا۔" اس نے دنوں ہاتھوں کو چار ٹکو کے تزویز کے برابر پھیلاتے ہوئے تشویش ظاہر کی۔

"وہ تو ہوتا ہی تھا۔ منج سے سرور سے ترب رہی ہوں۔ احسن سے اتنا ہوا کہ مجھے میری امی کی طرف ہی چھوڑتے جائیں ہائے۔"

"تو فکر کس بات کی ہے، آپ کا یہ لاڈلا دیور کس

دن کام آئے گا بھابھی میں! آپ تیار ہوں، میں رکھ لے کر آتا ہوں بلکہ تیار کیا ہوتا وہ یہ پیازی سوت اور اس پر گولڈن گولڈن موتوں کا کام۔" کتنا جھ رہا ہے یہ۔

آپ میک اور بو آئی ہے۔ احسن تو شروع سے ایسا سیدھا بچہ تھا۔ دیکھو یہو۔ نے کیسا سیڑھا کیا اور تم تو پیدا ائسی سیڑھے ہو۔ پتا نہیں شادی کے بعد کیا کیا کارنائے کرو گے۔ لو یہ دوپہر سالن نکال دیا ہے، میں نے رات کا کھانا ساتھ پکایا تھا، مار بار چکن میں نہیں آیا جاتا۔ اس سے زیاد نہیں دے سکتی۔ اب بھی اگر تم اپنے ابو کے کان بھرنے سے بازنہ آئے تو یاد رکھنا والا نہیں۔ ساس نے دوپہر کے ڈیڑھ کے تک کھانا میری یادداشت میں بھی بہت سے قسمیں ہیں، انہیں پوچھا اور سرور سے آپ کا ہارپ قبیل ہوئے والا

بپ کے حوالے سے اپنے اندیشوں کا اظہار کرے یا نہ کرے۔

"آپ بے فکر ہیں، میں آپ کو بھائی جان کے میل پلی کی روپریت میں مگر وہ تو آفس سے آتے ہی اسی ایل الی چیک کرتے ہیں کہ کس کافون آیا اور کس کس نے کہاں کا نمبر تھا۔ آپ پیسی اوسے فون کرنے میں تو خرچا۔"

"یہ لودو سورپیس ہے، میں اپنی ڈیلوٹ نہ بھولنا۔" "یہ دوسروپے فون کا لذت کے لیے تو بہت ہوں گے مگر بھابھی ماں! اور اصل مجھے کچھ ذاتی ضرورت کے لیے بھی رقم چاہیے تھی۔ بھائی جان تو آپ کو بھی ترسا ترسا کے پیسے دیتے ہیں، مجھے بھلا جیب خرچ کیسے دیں گے اور ابو۔ ان سے مانگنے کا تو میں سوچ بھی سے ارے ارے ارے یہ تو مت لیں بھابھی!"

موس نے اس کے ہاتھ سے دوسروپے والپی جھٹپٹے تو وہ ہر بار اکیا لیکن اچھے ہی لمحے اسے پرس سے پچائیں تو کافوٹ نکلتے دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی۔ آپ وہ کھاتا لے جاتے ہوئے راستے میں سے قیچی کی ٹکنیاں تندوری ہان بھی زائر کے مہمانوں کے لیے لے جا سکتا تھا۔

بے۔ میں تو کھتا ہوں بیک بھر کے کپڑے ساتھ لے جائیں۔ دو چار دن تک روٹھی رہیں، خود ہی احسن بھائی جان کے مزاج ٹھکانے آجائیں گے، انہیں بھی پہنچے اتنی حسین و میبل مخصوص یہوی کے ساتھ ایسا بے رہنماء سلوک کرنے کا نتیجہ کیا ہو تا۔" اس کی فرائی بھرتی زبان کی شعبدہ بازیاں مہوش بھانپ نہ سکی اور اسی میں خوش ہو گئی کہ کسی طرح میکے بانے اور دھوں جانے کا ایک اور موقع مل رہا ہے۔ "بھابھی ماں! آپ تو میرے اندازے سے بڑھ کر بھویں ہیں۔ ایسے بچے سجائے گئے میں بھلا بھائی جان کو آپ کی کیا کمی محسوس ہو گی۔ یہ سڑی پلیسیر یہ کا جو پستے کا بھرا ہوا جاری ہے، مجھری یہ کا شہنشاد ایشنا ڈونگا۔ وہ تو یہاں پانک منائیں گے۔" اس کے توجہ دلانے پر موس نے جھٹپٹ کی ٹھیک بھلا دلا روم فرنچ میں اور ڈرائی فروٹ الماری میں رکھنے کے بعد لاک لگادیا وہ جو "مال مسروقہ" اپنے تصرف میں لینے کے ارادے باندھ رہا تھا، دانت پکھا کے رہ گیا۔ اس سے ملے کہ وہ سڑی پلیسیر کے ساتھ بھی ایسی کچھ حرکت کرتی، اس نے فوراً آگے بڑھ کر سڑی پلیسیر اٹھا۔

"بھابھی ماں! آپ کی اجازت ہو تو اسے اپنے کمرے میں لے جاؤں۔" موس نے زرار کر اس کے معادن کردار کے بارے میں سوچا۔ اس کے ہمدردانہ مکالمے یاد کیے۔ اس وقت بستری کی تھا کہ سرال کے اس اکلوتے بیلیف کو قابو میں رکھا جائے پھر سڑی پلیسیر کوں سا بھر جیئے کا دوزنگا یا ڈرائی فروٹ کا جار تھا جو چٹ پٹ ہو جاتا۔

"اچھا تھک سے مگرزا احتاط سے استعمال کرنا ہر احمد! کہیں میں اکیلی ہاکر کوئی تعلطمی تو نہیں کر رہی۔ اسیں میری غیر موجودگی میں احسن پر میری گرفت دیلیں میرا مطلب ہے میں وہ تمہاری ای۔ افسوس۔" وہ فیصلہ نہ کر پار ہی تھی کہ احمد سے اس کے ماں

زائر سے اس کی دوستی تقریباً چھ سات سال پرانی تھی۔ دنوں کی پہلی ملاقات کا لمحہ میں اپنے بھائی دن ہوئی تھی۔ اگرچہ ان کے گروپ میں چند اور لڑکے بھی شامل تھے لیکن زائر واحد تھا جو اسے خندہ پیشانی سے جھیلتا تھا، اسی لیے ان کی دوستی کا لمحہ کے بعد تک برقرار تھی۔ دنوں نے یہ مسٹری میں ایم الیس سی بھی اکٹھنے کیا۔ اسی دور میں زائر ہائیل سے نلیٹ میں منتقل ہوا۔

ویسے بھی ہائیل اور اس متوسط درجے کے فلیٹ کے اخراجات لقریباً برابر تھے۔ ہالی یہ سوالت تھی کہ وہاں ایک گرفہ دو اور لڑکوں کے ساتھ شیئر کرنا پڑتا تھا اور یہاں اس ایک کمرے پر مشتمل فلیٹ کا وہ واحد مکین ہونے جا رہا تھا۔ (انی دائست میں) اس کی اس خوش

سرخاب کے پر لگے ہیں۔ اتنی اکثر ہے تو اپنا کما:
چھتا بھی ہے۔

مگر یہ سب باشکر وہ ان سے کہہ نہیں پاتا
لیے کہ وہ نہیں، ہی تو کہتی تھیں کہ اتنی اکثر ہے
کماو پھروہ کس بل بوتے پر ان سے گلے شکوٹ آ



ضویا نے خوب اچھی طرح چادر اوڑھی اور
اٹھا کر احتشام کے پیچے نکلی۔ کئی منتوں کے بعد
تحاں سے نورین کی طرف لے جانے پر۔ حالانکہ ا
نہ صرف اس کی بچپن کی دوستی تھی بلکہ ایک د
سے ان میں رشتے داری بھی تھی، لیکن ایک ہی
میں رہنے کی وجہ سے دونوں گھرانوں میں خاصاً
تحاں اس کے باوجود وہ آزادانہ طور پر اس کے
نہیں سکتی تھی۔

نورین تو پھر بھی کبھی کبھار آجاتی۔ کبھی اپنے ادا
کچھ پیکا ہوا رینے کے لیے، کبھی کوئی میگزین یا کتاب
مانگنے کی خاطر مگر ضویا پر بھائیوں کی جانب سے زیادہ
خوبی تھی۔

وہ تھے بھی ایک سے بڑھ کے ایک تند خود۔ ادا
سام اور احتشام۔ تینوں ضویا سے بڑے تھے۔
بھیا انضمام شادی شدہ تھے اور اپنی بیوی کو انہوں
بھن سے بھی نیا وہ کس کے رکھا ہوا تھا کیونکہ وہ ایک
خاندان سے باہر کی تھی، دوسرا کانجھے پر انضمام کر رہا
تھا۔ کچھ فطرتا "شوخ مزاج واقع ہوئی تھی مگر شادی
ڈڑھ ہی سال بعد بے چاری کی ساری شوخی ا
مگر اہلیں ضبط کر لی گئی تھیں۔ انضمام بھیا کو یہ
پسند نہ تھا کہ ان کی بیوی ان کے چھوٹے بھائیوں
سے مخاطب ہو۔ گھر میں ہر وقت کا آمنا سامنا تھا۔
لیے بے چاری مُنہ سے رہتی۔ اب تو اتنی خوفزدہ
تھی کہ ضویا سے بھی بات کرنے میں بھکپاتی۔

ایک تین دفعے نے اس کے اور ضویا کے درمیا
فاصلے پیدا کر لیے تھے۔ شادی کے بعد ابتدائی دن
میں اس نے یوں باتوں میں ضویا کو مشورہ دی۔

احد نے اب زائر کی طرف جانا کم سے کم کر دیا۔
ویسے بھی صحیح شام سے جانے والے طعنوں سے بچنے
کی خاطر اس کے فلیٹ میں پناہ لیا کرتا تھا۔ وہ بھی زیادہ
تر زائر کی غیر موجودگی میں مکراب اسے زائر سے ملنے
جانا ہو تا تو وہ شام کو جاتا۔ اس نے ایک بار جو احمد پر اس
کی ذاتی اشیاء کی تلاشی لینے کا الزام لگایا تھا، اس سے
خلاف ہو کر اب وہ احتیاط ہی کیا کرتا۔

یہ الگ بات کہ گھر پر سارا دن امی کی باتیں سنتے سنتے
بھی اس کا حوصلہ جواب دے جاتا۔ وہ بھوئی بیٹی اور
شوہر سے ملنے والی ساری ٹینشن اور کڑواہت اس پر
انڈیل دبیتیں اور وہ سرے پیر تک زہر زہر ہو جاتا۔ اب
اس نے امی کی کمی باتوں کا اثر زائل کرنے کے لیے ان
کے ساتھ ہلکے ہلکے انداز کی کھٹ مٹھی جھٹپیں کرنا
بھی بند کر دیں۔ وہ اپنا غبار نہالتی رہتیں۔ یہ چپ
چاپ انہیں دیکھتا رہتا، البتہ دل کے اندر بے شمار سوال
اور شکایتیں ڈنک مارتے رہتے۔

"امی! میں وہی احد ہوں جس کی شرارتوں پر پورہ
ڈالنے کی خاطر آپ ابو سے جھوٹ بولی دیا کرتی تھیں،
بھائی حان سے لڑائی میں آپ میری علطی ہونے کے
باوجود مجھے اپنی گود میں پھپا کر انہیں ہی ڈالنا کرتی تھیں،
کہ کیوں چھوٹے بھائی کو ستاتے ہو۔ اسکوں میں کسی
سے جھکڑا ہوتا، کوئی پیچر مزادری تو آپ فوراً" جواب
طلی کے لیے وہاں پہنچ جاتیں۔ اور اب لگتا ہے
سوائے پچھتاوے کے آپ کے پاس کچھ نہ رہا ہو۔
صرف چالیس پچاس روپے کے پیشروں کی خاطر اور
بھائی جان کو خوش کرنے کے لیے آپ ان سے بڑھ کر
مجھے صلواتیں سناتی ہیں۔ وہ بھا بھی جو آپ کو ایک
آنکھ نہیں بھاتیں، صرف اور صرف ان تکے بگڑے
مزاج کے ڈر سے آپ اپنے لاڑلے بیٹے کو ان کی
خدمت میں ہر وقت پیش کیے رہتی ہیں۔ مجھے ذیل
کرنے کو آپ کا یہ ایک فقرہ ہی کافی ہوتا ہے۔

"ارے جس بھائی کی مائی پر مل رہا ہے، اس کی
بری بھلی چپ کر کے سن لینے میں کوئی حرج نہیں۔
میں بھی تو سب مسہہ رہی ہوں۔ تم میں کون سے

لما تھے آجائے سے۔ ساری ڈھیل ایک ہی جھٹکے میں
چیخ لوں گا، بد حرام کی۔

”بس کچھے، جانے بھی دیجئے۔“ انہیں بوسا مزے
لے لے کر یہ ساری گفتگو سننا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔
میں ہونے کے ناتے وہ خود احمد کی اس طویل بے
روزگاری سے گھبرا کر تنہ ضرور ہو جایا کرتی تھیں، مگر یہ
گوارانہ تھا کہ کوئی لا سراس پر انہی اٹھائے چاہے وہ
دوسرے احمد کا گاباپ ہی کیوں نہ ہو۔

”پچھے ہے، خود بھی پریشان رہتا ہے، اس لیے
جنہجاہت میں ذرا تلنہ ہو گیا اور نسے آپ تو جانتے ہی
ہیں بچپن سے حس سے۔“

”ایک کی تیسی اس کی حمایت کی۔ بے حس ہے
بلکہ بے غیرت بھی۔ سامنے کیسے طعنہ دے گیا۔ کہ
وہنا اس سے کہ بھلے لاکھوں کمانے کے لائق ہو جائے،
ہم پر بے شک ایک دھیلانہ خرچ کرے مگر صرف اور
صرف اپنی ذات کی حد تک خود کفیل ہو جائے۔ کسی
اور کے لیے نہ سی، اپنے لیے کچھ کرنے کے قابل
ہو جائے۔“

”کوشش کر تو رہا ہے۔ اتوار کے اتوار اخبار سے
لتئے ہی ایڈریس نوٹ کرتا ہے۔ بلا ناغہ کہیں نہ کہیں
انشو پو دینے جاتا ہے۔ اب اللہ کی طرف سے ہی کہیں
بات نہیں بنتی تو وہ بے چارہ کیا کرے۔“

”استغفار سے اللہ کی طرف سے بات کیوں نہ بنے
گی۔ اللہ نے یہ تو نہیں کہا کہ صرف اوچی اوچی پوست
کے لیے درخواست بھیجو، اعلاً عمدوں کی آس لگاؤ۔

میرے کئے پر تعلیم میں دچپی لی ہوتی تو شاید اوچے
عدمے پر فائز ہونے یا اچھی ملازمت ملنے کی خواہش
بھی پوری ہو جاتی۔ خالی ایم اے یا ایم ایس کی کی
ڈگری کے ساتھ یہ ڈھونڈنا ایسی نوکری ہے، جو نہ صرف
اسے بغیر تحریک، رشوت اور سفارش کے ہاتھوں ہاتھ
لیں بلکہ تخلواد بھی کم از کم پندرہ بیس ہزار سے شروع
کریں۔ ایسی ہی سوچ رہی تو کچھ کلامازمت کرنے
والے بندے کے لیے سو کام ہیں اور نہ کرنے والے
کے لیے سو زامہ۔ جو وہ کبھی قدرت پر دھرتا ہے اور

کبھی مل باپ۔“

اپنے کمرے کے بندروں ازے کپار دنوں ہاتھوں
سے سر تھاے بیٹھا احمد نہ چاہتے ہوئے بھی ابو ناپ
طویل اور اشتغال انگریز بیان سننے پر مجبور تھا۔ اس کاگز
ہوا چانک اغلنے لگا۔



آج کافی دنوں کے بعد احمد نے دن کے وقت زائر
کے فلیٹ کا سارخ کیا تھا۔ کل ہونے والی تلمذ کلائی کے
بعد وہ ایسے شرمندہ شرمندہ اور لکھنا اکھنخا ساتھا۔ اور
ابو، ان کا تو وہ سامنا تک نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اچھی ملن
جانہ تھا کہ اگر ایک بار انہیں کی بات پر غصہ آجائے؛
جب تک وہ دل کی ساری بھروسے متعلقہ فرد پہ نکال نہ
لیتے، انہیں چیزیں نہیں آتیں تھیں اور کل تو احمد نے انہیں
اس کا موقع پر بغیر فرار اختیار کر لیا تھا۔

زائر تو یقیناً اس وقت کلاس لے رہا ہو گا مگر خدا نہ
توقع شیر علی بھی فلیٹ پر موجود تھا۔ جیسی مایوسی اسہا
اسے وہاں پا کر ہوئی تھی، ٹھیک ویسے ہی تاثرات نہ
علی کے چہرے پر بھی اسے دیکھ کر نمودار ہوئے۔

”مروٹا۔“ اس نے احمد کو ناشتے میں شریک ہونے کا
دعوت دی۔ نان پائے، کشمیری چائے اور پیشیری تھی۔
لوازمات دیکھ کر احمد اس اکڑ کا مظاہرہ نہ کر سکا جیسا۔
گھر میں کر کے آیا تھا۔ اس نے ستری تلوں والا،
شکریے کے ساتھ شیر علی کے ہاتھ سے تھاما شد،
میں ڈبوڈیو کر کھانے لگا۔

”یہ اندھے کچھ زیاد ہی سخت اہل ہے ہیں
در اصل مجھے وقت کا اندازہ نہیں تھا۔ مجھے سے تو لما
نہیں گئے، کیونکہ میں ہاف بوائل کھانے کا ماں
ہوں۔ اگر تم نے کھانے ہیں تو کھالو۔“

اس نے دو ابلے انڈے بھی آگے کھسکائے۔

”یہ پیشیری بھی بس ختم ہونے کو ہے۔ بڑی نہ
دار چیز ہے۔ اس بار گھر گیا تو اور زیادہ لے کر آؤں گا۔“

”تم جب بھی سیالکوٹ جاتے ہو، کھانے پینا۔
چیزوں سے لدے واپس آتے ہو، لگتا ہے۔“

لما نے پینے کا خاص شوق ہے۔ ”احمد کو یاد آیا کہ اس
بار بھی وہ پیشیری کے علاوہ لذو، بالوشانی، حلوب اور دال کی
ذکر اس طرح منتاب بھی معیوب سالگ رہا تھا مگر اسے یہ
ذکر پچھاڑے لے لے کر کرتے ہوئے غیرت نہیں
آرہی تھی۔

”اور چھوٹی عمر کی بیوی ذرا رعب میں رہتی ہے۔
میں تو پچھلے دو سالوں سے اماں پر زور دال رہا ہوں گے
اب اسے رخصت کرالا میں، مگر وہ پہلے میری دنوں کے
باجیوں کو ٹھکانے لگانے کے چکر میں چھیس۔ اب ایک
کی شادی تو پچھے مینے پہلے ہوئی سے دوسری کی بات
بھی چل رہی ہے۔ میں تو اماں سے کہ آیا ہوں،“ اس
کے ساتھ ہی میری تاریخ بھی کی کر دیں۔ اب نہ انتظار
ہوتا ہے، نہ صبر۔ وہ چیز بھی تو اُسکی بُتی چارہ ہی ہے کہ کیا
 بتاؤ۔ اور پر سے بھول بھائی اتنی کہ حد نہیں۔ یار احمد!

ایک بات بتاؤ۔ لڑکی اگر حسین ہونے کے ساتھ
ساتھ بھول بلکہ قدرے احمد بھی ہو تو گزار اچھا ہوتا
ہے، ورنہ یہ چلتھ قسم کی لڑکیاں، میرا تو ان کے ساتھ
محنت بھی مشکل سے گزرتا ہے۔ چالاکی سے ہندل
کرنا چاہو، تابو نہیں آتیں پہنچ جمٹ فوراً“ پکڑ لیتی ہیں
اور ہر خطرے کو سلسلہ بھانپ لتی ہیں جبکہ میری نورین
ایسی نہیں۔ اس کے نزدیک میں دیو تا ہوں۔ میری ہر
بات پر آنکھ بند کر کے اعتبار کرتی ہے۔ جو میں کوئی
اس پر ایمان لے آتی ہے۔“

”اگر تم اسے اتنا ہی پسند کرتے ہو اور وہ تم سے اس
حد تک مخلص اور سمجھدے ہے تو پھر ادھر ادھر بے کار
لڑکوں سے کیوں فلرٹ کرتے رہتے ہو۔ کیوں اس
کے اعتبار کو دھوکا دیتے ہو۔“

”ہاں وہ مجھے پسند ہے۔ مگر اپنی بیوی بنانے کے
لیے۔ یعنی ایک آئیڈیل بیوی میں جو جو خصوصیات
ہوں چاہیں، وہ ان پر صدقہ پورا اترتی ہے۔
خوبصورت بھی ہے، تھوڑی بہت پڑھی لکھی بھی،
خاندان بھی، ہم پلہے کے گھر یا مزانج اور سکھڑ بھی۔
ساتھ ساتھ مجھے چاہتی بھی ہے اور میری مانگ بھی ہے
اور کیا چاہیے، کم از کم ایک شوہر کو کیا چاہیے مگر ایک

”یاس سنا ہے وہاں تمہاری ایک بھی میرا مطلب
ہے، کہ زائر سے پتا چلا تھا تم خیر سے منتفی شدہ ہو۔“

”نہیں، کچھ پہنچاتے ہوئے پوچھا۔
”ہاں پیدائشی منتفی شدہ۔“ آج اس کا موڈ
مارٹ سے زیادہ اچھا تھا، اسی لیے بلا وجہہ قیمتے اہل
محنت بھی مشکل سے گزرتا ہے۔ چالاکی سے ہندل

کرنا چاہو، تابو نہیں آتیں پہنچ جمٹ فوراً“ پکڑ لیتی ہیں
اور ہر خطرے کو سلسلہ بھانپ لتی ہیں جبکہ میری نورین
ایسی نہیں۔ اس کے نزدیک میں دیو تا ہوں۔ میری ہر
بات پر آنکھ بند کر کے اعتبار کرتی ہے۔ جو میں کوئی
اس پر ایمان لے آتی ہے۔“

”اہ، تم دنوں کے درمیان اتنا تھا ذفرنس سے۔“

”ہاں اور ٹھیک ہی ہے ایک طرح سے۔ پہلے مجھے
نیں ایک لگتا تھا، جب نی جوانی چڑھی تھی۔ پہلی

اپنے سولہ سال کی عمر میں خود بخود ہی دل عاشقی
کی، کو چاہتا تھا اور بت اپنی اس ذیرہ فٹ کی جھے سالہ
نہیں تھا تو آتا تھا کہ اس دوسرے پیٹی بھی سے کیا
کیا جائے۔ جبوراً“ ادھر ادھر منہ ماری کرنا پڑی،

چیزوں سے لدے واپس آتے ہو، لگتا ہے۔“

”اہ، بہار آگئی ہے۔“

مرد کو اور بہت کچھ چاہیے۔ ”اس نے ”مرد“ پر زور دیتے ہوئے آنکھ مار کر کہا۔

اس کے ماہر انہ اور تحریر کار بیان پر ہمیشہ کی طرح احمد منہ کھول کر بیٹھا رہ گیا۔ وہ ہر بار حیران رہ جاتا تھا کہ بونگاسا نظر آنے والا یہ پینڈو آخر اس موضوع پر اتنا گمرا مشاہدہ اور مدلل تقریب کیے کر لیتا ہے۔ اس کا اپنا حال تو یہ تھا کہ عمر کے ستائی سویں سال میں لگنے کے باوجود ریکارڈ میں کوئی قابل ذکر معاشرہ موجود نہیں تھا۔

محدود سے جیب خرچ میں اپنے اخراجات مشکل سے پورے ہوتے تھے۔ کی لڑکی سے دوستی کیا کرتا۔ ہاں بھی کبھار دوستوں کے ٹولے کے ساتھ مل کر مارکیٹ پارک یا کسی فن فنی میں شوخ بولڈ لڑکیوں سے چھپتے چھاڑ ضرور ہو جایا کرتی تھی۔ وہ بھی اس صورت میں کہ اگر لڑکیاں خود رپانس رے رہی ہوں، ورنہ اس کی طرح اس کے دوست بھی بزدلاں حد تک شریف تھے۔ باپ کی جوتو کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کی سینڈلوں سے بھی خوف زدہ رہنے والے۔

پھر جب سے کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی دیبا پھیلی، تب سے وہ آزادانہ لڑکیوں سے دوستی کرنے لگا کہ چھترول ہونے کا خطروہ کم تھا، البتہ یہ اندریشہ زیادہ تھا کہ جسے لڑکی سمجھ کر بالوں سے لبھا رہا ہے، وہ کہیں کوئی ”چھڑڑ“ نہ نکل آئے۔ ایک بار اس کے ساتھ ایسا ہی ہو چکا تھا۔

اب بھی وہ ناشتے اور جائے سے فارغ ہونے کے بعد اپنے اس مشغله میں مکن ہو گیا۔ شیر علی ایک بار پھر دیوار کیر آئینے کی جانب متوجہ تھا جس سے احمد کو گمان ہوا کہ وہ بس نکلنے ہی والا ہو گا لیکن اس کے بر عکس اس نے ہیر برش اپنے موٹے کھرد رے اور شانوں تک بڑھے بالوں میں چلا تے ہوئے سوال کیا۔

”تم کیا کسی خاص کام سے ادھر آئے تھے؟“ احمد کے چونکے اور پھر بخل ہونے پر اس نے وضاحت کی۔

”میرا مقصد ہے کہ اگر تو تم صرف اپنی ای میلز چیک کرنے آئے ہو تو یار! ذرا جلدی انگلیاں چلاو اور دس منٹ کے اندر اندر یہاں سے چلتے پھرتے نظر آؤ۔ میرے کچھ مہمان آنے والے ہیں۔“

کمرہ واقعی ایک تھا۔ اگر دلوگ اور آجاءں تو بنیت کی ہنجانش نہیں رہتی تھی۔ ویسے بھی شیر علی کے سماںوں سے احمد کا کیا تعلق تھا۔ اسے حلے ہی بہا چاہیے تھا لیکن یہی بات اگر وہ ذرا سلیقے سے گھٹاتا تو اس کو برانہ لگتا۔ اس نے یہ بات اس بد تذہبی سے کہی کہ اس کا دلاغ گھوم گیا۔ یہ فلیٹ اس کے عزیز ترین دوست زائر کا تھا، جس نے اسے مکمل استحقاق دے رکھا تھا پھر یہ شیر علی کوں ہوتا تھا، یوں چٹکی بجا کرات ”چلتے پھرتے“ نظر آنے کا حکم جاری کرنے والا۔ اس نے اپنی بہمی چھپانے کی کوشش نہ کی۔ پہلے ہی گھر سے جلا بھنا آ رہا تھا۔

”مطلوب کیا ہے تمہارا، تمہارے مہمان آرے ہیں تو یہ تمہارا دردسر ہے، میں کیا کروں۔ جب زائر کوں کوئی اعتراض نہیں کہ میں کب یہاں آتا ہوں اور کتنی دیر تک اس کرتا ہوں۔ کیا کرتا ہوں تو تم کوں ہوتے ہو مجھے یہاں سے نکلنے والے اور وہ بھی زائر کی غیر موجودگی میں۔ ویسے بھی شیر علی صاحب! آپ بھول رہے ہیں کہ آپ اس فلیٹ کے مالک نہیں بلکہ خود بھی ایک مہمان ہیں۔“ اس نے چبا چبا کر حداشتیا۔

”تم تو ناراض ہو گئے یا را! اپنا تو اسٹائل ہی سالا ایسا کھلا دلا ہے۔ لوگ دل پالے لیتے ہیں۔“ اس نے بھونڈا ساتھہ لگاتے ہوئے اس کے شانے پر دھپ ماری۔

”تو تو جگر ہے اپنا، حالانکہ زائر بچپن کا ساتھی اور رشتے کا بھائی ہے مگر مزاج میل نہیں تھا تاہم دونوں کا۔ جبکہ تم اپنے کو کام کی چیز لگا، سوچا تھا یا ری خوب نہیں گی مگر تم“ اکھڑے کھڑے رہتے ہو، یاری کیا خاک کرو گے ارے یار! کرو، فائدے میں رہو گے شیر علی یاروں کا مار ہے۔ اس وقت بھی تمہیں جگری یار بھج کر بے تکلفی سے کہہ دیا کہ کچھ دیر کے لئے فلیٹ سے حلے جاؤ۔“

”اگر دوست سمجھتے تو ایسا نہ کہتے۔“ اس کی چکنی چپڑی بالوں کا ذرا اثر نہ لیتے ہوئے احمد نے روٹھے ہوئے انداز میں کمپیوٹر شست ڈاؤن کر دیا۔

”میوں کو پہلے تمہیں کبھی پتا نہیں چلا۔ اب اندازہ ہو رہا ہے کہ اس تکمیلی جیب والے شاہ خرچ نے باشل میں رہنے کے بجائے اس فلیٹ کا انتخاب کیوں کیا۔“

”یار! تم نے یہ لڑکوں والی بات بتا کے مجھے پریشان کر دالا ہے، میری روپوٹش کا سوال ہے۔ تمہیں تو پتا ہے آج کل چھترے چھانت لوگوں کو اپنے علاقوں میں رہائش ملتی ہی کہاں ہے۔ ایسے میں اگر شیر علی نے یہ سرگرمیاں جاری رکھیں تو میرا یہ ملکا ناہاتھ سے نکل سکتا ہے“ وہ متذکر ہو گیا۔

”تمہیں اس سے بات کرنی چاہیے اور ایک بات اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ اس طرح منہ آنحضرت کسی غمی اڑ کے سے اسی کے فلیٹ میں تنامٹنے کے لیے آنے آکر رہی نہیں۔“

”سچ بچ بتاؤ، تم جھوٹ تو نہیں بول رہے۔ شیر علی سے ویسے ہی تم خارکھاتے ہو۔ یہ نہ ہو کہ میں اس سے بھی بکار ہوں۔ چاچا جی اور یاء جی سے بھی میری چھتروں ہو اور اصل میں ایسا کوئی چکر ہی نہ ہو۔“ زائر نے ہر طرح سے تسلی کرنا چاہی مگر احمد سنتے سے اکثر گیا۔

”ہر کسی کو میں ہی ملکوں نظر آتا ہوں۔ تم بھی دیدے سکوڑ سکوڑ کر مجھے ہی دیکھ رہے ہو۔ مجھے تمہارے اس پینڈو اور شودے کرن سے کیا لیتا رہتا۔ وہ جو مرضی کرتا پھرے، میری بلاسے بھاڑ میں جائے مجھے ایسا لگا کہ اس کی ان حرکتوں سے تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے۔ اس لیے تمہیں اگاہ کرنے یہاں آگیا۔“

”زار سے پکارتارہ گیا لیکن غصے میں اس نے پچھے مژ کر دیکھنا گوارا رہ کیا۔“

”دوسرا کے تین بچے تھے۔ بہت خوار ہو لیا۔ بھوک بھی چمک ائمی ائمی، اسی لیے سیدھا گھر کا رخ کیا لیکن اندر داخل ہوتے ہی اس کا حلق تک گڑوا ہو گیا۔ جب بھا بھی کے پورے میکے کو وہاں بر اہمان

چکر دے زائر سے مٹنے کیمپس کی طرف آنکلا۔“

”تم یہاں کتابوں میں سر کھیا رہے ہو، وہاں شمارے ویرانے میں چکے سے بھار بلکہ بماریں اتریں۔ میں ہیں اپک یاد نہیں، انہیں چار بماریں۔“ اسے حسب توقع لاہوری میں بیٹھا ویکھ کر احد نے ہشہ چھوڑا۔

”یاء جی آئے ہیں کیا؟“

”رہانا میرا یار گاؤ دی کا گاؤ دی۔“ احمد کو اس کے اندازے پر سخت تاؤ آیا۔

”تمہارے تصور کی گذی بس یاء جی تک ہی اڑ سکتی ہے۔ کتنے ہیں جوانی گدھے ہے پہ بھی آئی سے پر لگتا ہے نہ آپ مدد ہے سے بھی ہی گزری جوانی آئی ہے۔ کسی الملف جذبے، کسی کشھی میٹھی کمک، کسی رنگیں تصور کی دعویں کو بھی نہیں پاسکتے۔“

”تم اپنی یہ بے سروپا باتیں لے کر میرے پیچھے بیونور ٹھی تک آپنے میری جوانی پر لعنت بھیجو،“ اپنے کام تصدیق بیان کرو۔“

”اپنی جوانی پر تم خود ہی لعنت بھیج رہے ہو،“ ایسا نادر اُنچ گنو کر۔ اس وقت تمہیں اپنے فلیٹ پر ہونا ہا ہے تھا۔ وہاں رنگ و نور کا سیلا ب اڑا ہوا ہے۔“

”تھے تو ے پارلی، چاکلیٹ کیک، حسن کے چنیل اسماں۔“ وہ چٹارے لینے لگا۔

”کہیں اپنے فلیٹ پر کوئی شونک تو نہیں رہی۔“ وہ اب بھی نہ سمجھتا احمد نے صاف الفاظ

”اوہ ہو لے بادشاہ، تمہارا وہ ”مگر امیں“ (ہم وطن) نہیں کے اوناٹ کرنا ہے،“ کے نہیں۔“ وہ شاید احمد کو پورا پورا مروع کرنا چاہتا تھا۔ اسی لیے اتنا اصرار کر رہا تھا۔ احمد کو اندازہ تھا اس کی نیت کا اسی لیے نہ مانا۔“

”میرا کیا دل غریب ہے جو چار چار لڑکوں کو تم داری صدیتے ہو تو ادیکھ کر اپنا لیکھ دھوان کروں۔“

”اس کے کسی اصرار کو خاطر میں نہ لا کر وہاں سے فراہم ہو گیا۔“

”اچھا مار اتوانیا شغل تو پورا کر لے پھر نہ کہنا کہ شیر علی نے ٹھہنے نہیں دیا۔“

”میں چینگ کر رہا تھا، کوئی یہم لگا کر نہیں بیٹھا تھا۔“ کھلنے نہیں دیا۔“ احمد نے منہ بگاڑ کر اس کے لمحے کی نفل اتاری۔ وہ زور سے بس پڑا۔

”ہاں تو یہ اور کیا ہے۔ کھیل ہی تو ہے۔ مزا توجہ کرے کہ مردوں کی طرح میدان میں اتر کر شکار تلاش کرو۔ جو مزا ”شکار“ میں ہے، وہ ”کھیل“ میں کہاں لیکن شکار کی بننے کے لیے جگڑا چاہیے جگڑا۔ خیر تم یہ سب نہیں بخوبی گے۔ تم تو ابھی بھی یہ نہیں سمجھ پا رہے کہ میں تمہیں یہاں سے جانے کے لیے کیوں کہہ رہا ہوں۔ ارے یار! میرے آنے والے مہمان کوئی ایسے دیے مہمان نہیں،“ وہ سر ملے اور خریلے میں اس کی کوڑہ مغربی کوپہ ماتم کرتے ہوئے احمد اس کی خوش فہمی کا بھرم رکھا۔“

”کوئی گرل فرندی؟“

”ہاں، ایک گرل فرند اور تم اس کی فرندی۔ پنکی کی آج بر تھوڑے ہے۔ میں یہیں اسی فلیٹ میں سیلیبریٹ کر رہا ہوں۔ اس کی تین کانچ فرندی بھی اس کے ساتھ ہوں گی۔ میں نے کیک بیکری سے منگا لیا ہے۔ ڈیڑھ لیٹر کی پیسی اور ایک لیٹریک آس کریم کا بھی۔ پچھہ دیر نہر کے پڑا بھی آرڈر کر دوں گا۔ پنکی کے لیے میں نے بڑا زورست سا گفت بھی لیا ہے۔ ایک خوبصورت گولہ نیکلسی۔“

”اور اتنا خرچا کرنے کا تمہیں کیا فائدہ ہو گا؟“ اسے تم شکار کہہ رہے ہو۔ احق انسان! تم خود شکار ہو رہے ہو ان لڑکوں کے ہاتھوں۔ یہ تمہارا سیالکوٹ نہیں سے لاہور ہے۔ یہاں کی لڑکوں کو تم آسان مت سمجھو۔ میری جان! اب یہی دیکھ لو،“ کیک تمہارا گفت تمہارا اُنچ تمہارا۔ وہ چالا کو تو آسانی سے بر تھوڑے بھی منگی ہنگست بھی سمیٹ گئی اور تمہارے ہی پلے سے اپنی تین دوستوں کو بھی عیش کرائی۔“ تمہیں بھلا کیا ملا؟“

”گھر سے وہ جس موڑ سے نکلا تھا، اس کے بعد دیوار، اتنی جلدی وہاں جانے کا تو بالکل دل نہیں کر رہا تھا۔“

زیج انداز اور پلیٹ میں ٹھنڈے ہوتے چاولوں کو جوں کا تو پڑے دیکھ کر احتمل کی گراگری کا انداز کر لیا۔

”رزق کو پرے کرنے والوں کا یہی حال ہوتا ہے۔ تم اس میں کرئے نکلو، رزق خود تمہیں کی قابل نہ بخہت ہوے تمہارے پاس نہ پہنچے گا۔“ وہ بغیر کسی کے بتائے معاملہ بھائی بھگتے۔ ”ڈرواس وقت سے جسم پیچھے تیجھے دیوانوں کی طرح بھاگو گے اور رزق آئے۔“

احد کڑوی کی شکل بنا کر چپ چاپ پلیٹ اپنے آگے سر کانے پہ بجورہ ہو گیا۔

”ابو کو تو اللہ موقع دے اپنے مل خراش اور عبرت تک واقعات کی مل دوز منظر کی کرنے کا۔ بندے کے رو نگئے کھڑے کر دینے میں ہماریں۔“

اکنے بے بس کر دینے والے غصے سے جھجھٹکر منہ کے پچھے زیادہ ہی اندر ٹھوٹس لیا۔ پھنڈ الگتے لگتے رہ گیا۔ رہی سی کرامی نے ابو کے سامنے کھانا رکھ کے پوری کروی۔ ٹرے میں چاول، رانتے، آکو شوربے کے ساتھ ساتھ پھملی اور چکن کا ایک ایک پیس بھی رکھا تھا۔ اس نے جاتی نظروں سے انیں دیکھا تو وہ کنی کرتا تھا۔ ابو کو کھانے کے لیے آزادی نے لگیں جو نہیں پہاڑ دھورہ ہے تھے۔ اب ابو کی ڈانٹ پلیٹ کا خوف بھی احد کو کھانا کھاتے رہنے پہ بجورہ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ حکیم سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ اسی دہی اسی کی کرمی خدمت کے بیٹھ گئی۔

”کیا ہوا پھر کچھ کہہ دیا صاجزادے نے۔“ ابو تو یہ سے ہاتھ پوچھتے ہوئے پیبل تک آئے۔

”نہیں، اس نے بھلا کیا کہنا ہے۔ طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لیے چلا گیا۔“

”کیوں؟ کیا ہوا طبیعت کو۔ وہ بھر تو بستہ ٹانگیں پسارے رکھتا ہے۔ شام ہوتے ہی باہر نکل جاتا ہے۔ موسم بھی خاصا سرد ہے، ضرور ٹھنڈ لگ گئی ہو گی۔“ کستے کرتے ان کی نظر کھانے پہ گئی۔

”گھر پہ کھانا نہیں پکا کیا۔ یہ بازار سے سامان کیوں آیا؟“

”سالم وغیرہ کچھ نہیں بنایا۔“

”آکو گوشت بنا تھا۔ بونی تو اب بھی نہیں۔ خالی شوربے میں دو چار آلو ڈوبے رہے ہوں گے۔ کو تو لے آؤں۔ دیپے تو بغیر بولنی کے تمہارے حلق سے مالن اترتا ہی نہیں۔“

”کمال ہے۔ آپ میرے لیے سالم بھی نہیں رکھ اتی تھیں اور ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ احسن بھائی کے سرال والے آئے ہوں اور آپ آکو گوشت کا شوربہ ان کی خدمت میں رکھیں۔ دیے صاف صاف کہ ایں کہ تمہارے لیے نہیں بھایا۔“

”آہستہ بولو۔ کیا سب گومنا ہے کہ کس قدر دیے سے اور تر سے ہوئے ہو۔ اب کسی کو پتا تھوڑا ہی ماکہ یہ لوگ آرہے ہیں۔ عین کھانے کے وقت یہ پڑا اپڑا تھا آیا۔ وہ تو ہوش نے احسن کو فون پہ بتا دیا اور، آفس سے گھر آتے ہوئے فرانی پھملی اور رو سٹ بیان دی گیو۔ آیا۔ اس کے باوجود گھر کا سالم بھی ختم ہو گی۔“

آپ جو ہے چپ کر کے گھاؤ۔“ پھملی اور چکن کا گزر کراحد کے حلق میں روکئے ہاں اور بھی پھنسنے لگے۔

”اپنے سرایوں کے ٹھنڈانے کے لیے احسن مالی کے پاس بست پکھہ ہوتا ہے۔“

”اپنے ٹپے سے لاتا ہے۔ ہم تم اعتراض کرنے لے کوں۔“ اپنی مل سے چاہے احسن بھائی کی اس مل پا یسی سے تھی، اسی تالاں کیوں نہ ہوں۔ احد کی بیس ہاں بھی نہیں ملائی تھیں۔ یہ بات اسے اکثر مل کر دیتی۔

”نش، اعتراض کوئی نہیں۔ صرف حقیقت سے لفڑا آؤ۔“ کر رہا ہو۔ آپ دون میں وہ بار تو ضرور مجھ پہنچانی خواہ فارغب ذاتی ہیں جبکہ اصل میں وہ جو اس اور بتنا بھی گھر کے خرچے کے لیے آپ کو دیتے ہوں سے کہیں زیادہ ہی خرچ کرتے ہیں۔

”اگر اسے منہ چلا کر پلیٹ پیچتے کر دی۔ اسی کچھ اور نہ ہاں میں مل رہا کو دیکھ کر خاموش ہو گئیں۔ ابو اما، تیز نکلوں سے احد کے سرخ چہرے، ہیکم کے

جانب اٹھ رہی تھیں۔“

”ہوش پکن میں ہی ہے۔ جاؤ اس سے کوئی تمہیں کھانا نکل دے۔“

”اب آپ اپنے اس بیٹے کی شادی بھی کر رہی دیجھے۔ اس کے لیے کھانا گرم کرنے اور پکڑے استری کرنے کی بڑیوں ادا کرنے والی آجائے تو۔“

”لیکن ملے یہ خود تو اپنے قابل ہو جائے۔ ایسے آئی پہنچی بھی کسی کے ہاتھ تھیں تمہارتا۔ ہاں، اگر بھی کسی پہ بست اسی ”بھاری“ ہو تو وہ الگ معاملہ ہے۔“

انہوں نے لفظ ”بھاری“ کو بھاری بھر کم طریقہ سے ادا کرتے ہوئے اپنی بھوک جاتے والی نظریں دیکھ کر کہا۔ وہ پلوبدل کے رہ گئی۔

”آئی! میری شادی ہو بھی گئی تو ای کا، ہی کام،“

”ہو گکے۔“ اب بھوکے حصے کے کام کرتی ہیں،“

”دو بھوکے کے لاڈاٹھانے پریس گے۔“ شادی کرنے کیا ہوتا ہے،“ بھائی نے بھی تو گئی ہے۔“

”اب پلوبدل کے کی باری آئی جی کی تھی۔ اسی کے اٹھ کھڑی ہوئی۔“

”بڑی بات بیٹا! بیوں کے ساتھ مذاق نہیں کر رہتی تھیں کہ وہ ہمیشہ اس سے بڑا سنبھل کر ملتیں۔“

”اتی زیادہ محتاط ہو کر کہ کبھی بھمار احمد کا ہاتھ بے ساختہ اپنے سرکی جانب چلا جاتا کہ کہیں اس کے سرپہ سینگ ہو کر احمد چپ چاپ ان کے پیچے چل دیا۔“

”بکواس گرنے سے بازنہ آنکھ مل گر آئے،“

”کا بھی لحاظ نہیں۔“ انہوں نے پانی کا جگ ادا کرنا۔“

پایا۔ پورے گھر میں احسن بھائی کا سرال دندنارہ تھا۔ ذرا تنگ روم سے ہوش بھا بھی کے ابا، تیا اور بڑے بھائی کے تھیں کی آواز آرہی تھی۔ یقیناً احسن بھائی آج حق میزبان ادا کرنے کے لیے آس سے جلد آگئے ہوں گے۔

لاونچ میں اپنی بھیم شخیم سہمن کے ہمراہ بیٹھی ان کی لن ترائیوں پہ سڑھن رہی تھیں۔ وہ جب آئیں، اپنی صاجزادی کے ایسے ایسے گنوں پر قصیدے جھوم جھوم کے رہتھیں، جواب تک اس گھر اور اس کے میزوں پہ آشکار نہ ہوئے تھے۔ ان کے اس

”ہوش نامہ“ کے دوران ان کی اکلوتی بھوک جنمیں نہ ہوں سے ساس کو گھورتی رہتی۔ اس وقت بھی

موسش بھا بھی کی یہ سینک سلامی یہ بھا بھی عجیب طنزیہ انداز سے اپنی ساس کو بھی کی تعریفوں میں رطب

السکن دیکھ کر یہ نکار رہی تھی۔ ان کے چار آفت بچے سیدھیوں سے لٹکے کرتے و کھارے تھے،

ہوش بھا بھی کمیں نظر نہ آرہی تھیں۔ وہ چپ اپنے کمرے کی طرف کھکنے کو تھا کہ اسی نے آواز دے کر لالیا۔ بجورا“ اسے آگے بڑھ کر سلام کرنا پڑا۔

یہاں نہیں موسش بھا بھی اپنی والدہ محترمہ سے اسی اکلوتے راج دلارے کا تعارف کن الفاظ میں کراتی رہتی تھیں کہ وہ ہمیشہ اس سے بڑا سنبھل کر ملتیں۔

اتی زیادہ محتاط ہو کر کہ کبھی بھمار احمد کا ہاتھ بے ساختہ اپنے سرکی جانب چلا جاتا کہ کہیں اس کے سرپہ سینگ تو نہیں جن کے مارٹھنے کا خطرہ ان خاتون کو ہو۔

ان کے بر عکس بھا بھی کی بھا بھی اس سے خاصی شوشاںی سے لنتھیں۔ یہ سینگ اسے تبے نظر آنے سامنے لاتھا۔

”اب پکن میں مت آنکھا تھا۔ اپنی بھا بھی نہیں۔“ اس کے میکے سے کوئی آیا ہو تو اس کا مژان،

”بڑی بھی تھیں۔“ بڑی بھی تھیں۔“ بڑی بھی تھیں۔“ بڑی بھی تھیں۔“ بڑی بھی تھیں۔“

جو قطعی تھیف وزنار نہیں تھی۔ احمد ان محترمہ کو کئی بار دیکھ کر کھاتا تھا، اس لیے اس بھوکے پیچے چل دیکھ کر کھاتا تھا۔“

سمانوں کی موجودی کی وجہ سے وہ خاسا،“

”کوئی پر تکلف ہو گا۔ آخر مہمان بھی نام نہیں۔“ میں ان کی تمام تحریر جو شی کا جواب دیا۔ اس کی بھوک سے بے تلب نظریں بار بار التجاہیہ انداز میں اپنی کی تھے۔

لے نہیں؟“ بس اچانک ہی مہمان آگئے، اس لیے۔ آپ مرکز احمد رفتہ رفتہ اکیلا پڑھا گیا۔ اس کے باوجود وہ اپنی سے اب بھی اس روپیے کی توقع نہیں رکھتا تھا۔

اس کے مل میں ہزاروں شکوئے تھے، لاکھوں گلے۔ جو بے جا ہوتے ہوئے بھی کہیں کہیں جائز تھے۔ اس کے مزاج میں لاپرواٹی ضرور نہیں بے خی نہیں۔ اگر اس کی لاپرواٹی کوڈھنگ سے ٹوکا جاتا تو رات کا گھانٹا ہی ڈھنگ سے ہضم نہیں ہوا۔ میں صرف یہ چاول لوں گا، سادے وہی کے ساتھ۔ یہ باتی داریوں کا احساس مل میں اجاگر کیا جاتا تو شاید وہ یہ میں سوچ نہ پاتا۔



“کم از کم مچھلی تو چکھ لیں، آپ کو پسند ہے۔“

“پسند ہے تو کیا کھا کر بیمار ہو جاؤ۔ بتایا تو ہے کہ پیش ٹھنک نہیں۔“

“کم از کم مچھلی تو چکھ لیں، آپ کو پسند ہے۔“

کرے کی طرف چلی آئیں۔ اتنے سالوں کا ساتھ رشتے کے حوالے سے انہیں اپنے ہاں نہ کھرنے کی دعوت دے دی۔ بارہ پندرہ روز تک کاپروگرام تھا۔ آٹی کے میکے والے کوئی نہیں تھے۔ پہاں سب۔ ملاقات اور لاہور کی سیر کے بعد پوری قیمتی کو کوئی نہیں جانا تھا لیکن ضویا کی جان ان چار پائچ دنوں میں نہ عذاب میں گھر گئی۔

انفل کے تین بچے تھے، دو بیٹے اور ایک بیٹی۔ نہ خاصی چھوٹی تھی، چونہ پندرہ سال کی۔ دو نوں بیٹا۔ تلے کے تھے، سترہ اٹھاڑہ سال کی عمر میں کھڑتے۔ اچھی ہونے کی وجہ سے عمر سے ذرا بڑے بڑے بن کرتے۔ مصیبت یہ تھی کہ تینوں بہن بھائیوں کو تکلف ہونے کی بیماری تھی اور پورے گھر میں! وہی تھی جو انہیں ہر وقت مستحب ملا کرتی، لیکن سالوں تک آتھیں کا چھالا بنا کریا تھا، اسی مال کا جھنجیرا ہوا رہی وہ برداشت نہ کپار بائھاں ابو کی ذات ثابت تو خیر دیکھی بھائی چیز تھی۔ احسن بھائی سے دوستی بھی بس لو کہن تک، ای رہی، پھر اچانک انہیں بڑا بنتے کا شوق لاحق ہو گیا۔ سلے جاپ بھر شادی نے ان کے درمیان رہی کسی بے تکلفی اور ایسا تھیت بھی ختم کر دی۔

کانج کے فرندز میں کوئی جاپ اور کوئی بنس میں

پراجان ہوتے۔ وہ بہانے بنا بنا کر تھک جاتی۔ کبھی بھی آٹی بھی زردستی کر دلتیں تو بھیا کی خونخوار نظریوں کی پیش خود پر محسوس کر کے وہ اندر سے لرزتی رہتی۔

اس نے خود کو زیادہ سے زیادہ مصروف کر لینے میں ہی عافیت جاتی۔ سونے پر سماں، آج کل کانج سے بھی چھٹیاں تھیں۔ رات دیر تک گھونٹے پھرنے کی وجہ سے مہمان صبح در تک سوئے رہتے۔ وہ اپنے حصے کا ہر کام اس وقت کر لئے کی پوری کوشش کرتی۔ ان کے جانکے سے پہلے پہلے وہ پڑھائی کا بہانہ کر کے کمرے میں بند ہو جاتی۔ شام ہونے تک وہ حسب معمول گھونٹے پھرنے نکل جاتے۔ ہمیشہ ہی اسے بھی ساتھ لے جانے ہے پر زور اصرار ہوتا اور ہمیشہ ہی امتحانات کا بہانہ کام آتی۔ حالانکہ پیسے کب کے ہو چکے تھے اور یہ چھٹیاں دراصل رزلٹسے پہلے ہونے والی چھٹیاں تھیں۔

وہ تو چاہنے کے باوجود اس پیاری سی لڑکی عنہا سے بھی دوستی نہ کر سکی کہ وہ تینوں بہن بھائی ہمیشہ اکٹھے ہی ہائے جاتے۔ ایک سام زانج، ایک سے شوق، ایک سی دوچھپیاں تھیں تینوں کی۔ اس نے اپنے کمرے میں بیٹھے بیٹھے ان کی آوازیں سن سن کر یہ انداز لگایا تھا۔ احتشام آج کل سارا دن کھڑا ہی پایا جاتا۔ ضویا کے خیال میں شاید اس کی وجہ ضویا پر نظر رکھنا ہو، اسی لیے وہ اور بھی مختاط رہتی۔ شام ہوتے ہی احتشام اور حسام دونوں مہمانوں کے ساتھ ہی نکل جاتے۔

آج وہ حسب معمول ناشتے سے فارغ ہوتے ہی کچن میں آگھسی۔ بھا بھی کے میکے میں کسی نہیں کی عزیز کا انتقال ہو گیا تھا وہ کل سے وہاں تھیں۔ ای بھی اسے کھانے کے متعلق بدایت دے کر وہاں چلی گئیں۔

ضویا نے دبے الفاظ میں انہیں جلد اپس آنے کے لیے کہا۔ وہ بھی اس کی مشکل بھجتی تھیں، اس لیے تسلی کر اگئیں کہ ایک دیڑھ گھنٹے تک لوٹ آئیں گی۔ وہے بھی ابھی اپنے دس بجے تھے۔ وہ لوگ گیارہ ساڑھے گیارہ سے پہلے نہیں اٹھتے تھے۔ ناشتے کے بجائے چائے یا جوس پر گزار اکر کے پکھہ دیر بعد کھانا کھا

ہمانوں خصوصاً ”لوںڈوں“ کے سامنے آنے کی بھی ضرورت نہیں۔

”ابو کو نجات کیا سو جبھی، جوان بیٹی والے گھر میں ایسے مہمان لا کر بھاڑا ہے۔ ان لوںڈوں کو باہر کی ہواں گلی، اُنی ہے۔ ان کے دیدوں میں کہاں لحاظ اور شرم کی۔“

ضویا نے تبعد اداری سے سرہلاتے ہوئے وزدیدہ کاہوں سے بھا بھی کو ریکھا۔ ان کے چہرے کے اڑات بتاہے تھے کہ بھائی جان اس تاکید سے انہیں میں فیض یا ب کر کے ہیں۔ ان کے چہرے کی سمجھاہٹ سمجھ میں آنے والی بات تھی۔ ظاہر ہے کہ یا کے مقابلے میں وہ ان مہمان لڑکوں سے عمر میں ۹ سال برس بڑی ہوں گی اور پھر ایک شادی شدہ دوست ہونے کے ناتے انہیں اس ہدایت سے مستثنی ادا، اے دینا چاہیے تھا۔

سمام بھیانے بڑے بھیا سے چار قدم آگے بڑھ کر یا کو تاکید کی۔

”شمی تھی کرنے کی ضرورت نہیں۔ دیکھ رہا ہوں،“ مل بلاؤ جہے تمہارے دانت نکلے رہتے ہیں۔ سامنے اہ، ایک طرف، تمہاری آواز بھی میں اتنے دن گھر ابھرتے نہ سنوں اور اگر ان کے ہوتے ہوئے اڑے سے نکلنے کی غلطی کی تو ناٹھیں توڑ کے ہمیشہ کے لیے کر کے رکھوں گا۔“

”سمم تھی اور ساتھ ہی ساتھ پریشان بھی ہو گئی۔“

کاموں میں ای نے اسے کم عمری سے ہی لگا ساتھا اور بھوکے آنے کے بعد بھی انہوں نے اسے خدمیہ نام کنج سے الگ نہیں کیا تھا۔ صرف عجج کے لئے اور روزمرہ کی صفائی کرنے کی وہ پابند نہ تھی کہ وہ ادا، ان کانج کے لیے مختص تھا۔

اں تدریفعال ہوتے ہوئے وہ مہمانوں کی نظر سے ایم، پیپر، رہ، سکتی تھی۔

”لما۔“ ان کے سامنے جانے پر پابندی نہ تھی مگر وہ ساڑھے گیارہ سے پہلے نہیں اٹھتے تھے۔ ناشتے کے بجائے چائے یا جوس پر گزار اکر کے پکھہ دیر بعد کھانا کھا

ویکھا۔ تمہاری بھیناں کے شکل نظر آئی اور میں جاگ رکھی۔ ”عینا کا مخطوط انداز بتا رہا تھا کہ وہ ان نے تکلیفوں کی عادی تھی۔

”اچھا جس سے ہماری بیلی، ہم ہی کو میاواں۔“ حرام نے اس کی پلیٹ میں بچا سلاں کا آخری لقمه پھمل سے اٹھا کر اپنے منہ میں رکھ لیا۔ عینا نے جھپٹے کی پوری کوشش تکی مگر وہ دوسری طرف چھک گیا۔ عینا اس پر گرتے گرتے پھی۔ ضویا اپنی ناگواری چھپا نسکی۔

”کیا بد تمیزی ہے حسام۔“ جواباً ”اس نے بن اس دخل اندازی پر گھورا کہ وہ عینا کے سامنے بدل ہو کر رہ گئی۔

”عینا! اپنی اور میری چائے لے کر جھست پہ آجائ۔ تمہیں ایک مزے کی چیز دکھاتا ہوں۔“

اور وہ چائے جو ضویا نے اپنے اور اس کے لیے بنا لی تھی، وہ دونوں کپڑے میں رکھ کر عینا اور پر لے گئی ضویا لینچی سے سر جھٹک کے رہ گئی۔ یہ وہی حسام تھا، گھر کے ماحول کے زیر اثر تیرہ چودہ سال کی عمر میں ان ایسا ہو گیا تھا کہ اس کے دوست گھر آتے تو ضویا کو ان جانے کا اشارہ کروتا۔ وہ کبھی کبھی توہن پڑتی کہ اس نے بھوپول سے بھلا اس کا کیا پردہ اور کبھی کبھی توہن۔ سلگ کر رہ جاتی کہ اس کا معصوم سماں بھائی بھی اب اب بچپن کی سماں کے بجائے صرف ایک ”جو ان بن تصور کرنے لگا ہے اور یہی حسام اب عینا کے سامنے کھلے عام جھست پہ پنگ اڑانے جا رہا تھا۔ جس نے نہ اسے اوپنچا جست ٹراوَر پسون رکھا تھا۔ مختصر دھیلی سی مل شرث میں بھی اس کا نو خیز سر لیا نہیاں تھا۔ روپے۔ قطعی بے نیاز وہ اس کے بھائیوں کے ساتھ ہمہ دندھ خوش بکھیوں میں مصروف رہتی جبکہ وہ اس سے بھی کہیں کم عمر ہے۔

”تمہارا منہ کیوں سوجا ہوا ہے؟“ اس شام نو، دہلی اپنی امی کے ساتھ آئی تو اس سے پوچھنے لگی۔

”کچھ نہیں یا را! ان مہمانوں نے زندگی عذاب رکھی ہے۔“

لیتے تھے۔ وہ وقت سے پہلے ہی کھانا پکالیا چاہتی تھی کہ اچانک عینا کو کچن میں دیکھ کر تیران رہ گئی۔ وہ پیاری سی لڑکی چرے پر معموم سی پر جوش مسکراہٹ سجا کر اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

”ارے تم اتنی جلدی کسے جاگ گئیں؟“ ”میں تو کافی دیر سے جاگ رہی تھی مگر گھر میں خاموشی تھی۔ لگتا تھا یا تو کوئی گھر میں ہے نہیں یا سب سور ہے ہیں۔ کچن سے کچھ آوازیں آئی سنیں تو دیکھنے چلی آئی۔“

”آوبیٹھو، تمہارے لیے ناشتہ بناؤ؟“ ”آپ مصروف لگ رہی ہیں،“ میں خود ہی ناشتہ بن لیتی ہوں۔ ایک اندازی تو فرائی کرنا ہے اور ٹوٹریں بڑیہ ڈالنی ہے۔“

اس نے تکلف کرنا چاہا مگر ضویا نے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ سے بریڈ لے لی اور منشوں میں اس کا مطلوبہ ناشتہ اس کے سامنے رکھ دیا۔ وہ وہیں کچن میں موجود پلاسٹک کی ٹیبل اور اس کے گرد رہے دو اسٹول میں سے ایک پہ بیٹھ گئی۔

اس کے بعد اس نے ملکے چھلکے انداز میں ضویا کے کمپنی نہ دینے کا گلہ بھی کیا جس کا اثر زائل کرنے کے لیے ضویا نے اسی وقت اس کے اکلے ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بات چیت کرنے کا راہ گر لیا۔

گھر کے باقی افراد کی غیر موجودگی کے بارے میں دریافت کرنے کے بعد جب عینا نے احتشام کے بارے میں پوچھا تو ضویا حیرت سے منہ کھول کر رہ گئی۔ احتشام اس سے بھی دوڑھ دو سال بڑا تھا اور نیہ اتنی چھوٹی سی بھی عینا کتنی بے تکلفی سے اس کو احتشام کہہ کر پکار رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنی حیرت پر قابو پا کر اسے نوکتی۔ حسام کچن میں آگیا۔ اس نے کمال بے تکلفی کا منظاہرہ کرتے ہوئے عینا کی بھی سی پولی ٹیل کھینچی۔

”مہیں کیا رات بھرنیں نہیں آئی یا کسی شوق کے مارے جلدی اٹھ گئیں۔“

”نیند تو بست اچھی آئی تھی مگر خواب بست دراونا رکھی ہے۔“

میں بدلتے گلی۔

“ضویا! تم کسی دوست ہو، میری اتنی سی مدد بھی نہیں کر سکتی ہو۔”

”ندسے؟ تم سارا دماغ خراب ہو چکا ہے۔ میں نے تمہاری مدد کرنے سے انکار نہیں کیا بلکہ تمہارا ستانائی ہونے سے بچایا ہے۔“ ضویا سخت بھنائی ہوئی تھی، نورین کے اس مطلبے پر وہ اس دن سے خوف زد رہتی تھی جب نورین کے گھروالے اس حقیقت سے باخبر ہوتے۔ اس کے بھائی ضویا کے بھائیوں سے بوجھ کر سخت تھے۔ بالکل جلااد صفت، مارپیٹ سے قلعی گریزنا کرنے والے اس کا جو حشر ہوتا اس کا تصور کرتے ہی ضویا کے روئٹنے کھڑے ہو جاتے۔

نورین تو فی الحال عشق کے خمار میں نذر بنی ہوئی تھی۔ ایک پیسوی وجہ بھی تھی اسے ان حرکات سے باز رکھنے کی کوششیں کرتے رہنے کی اور وہ یہ کہ سب جانتے تھے، ان دنوں کی دوستی کے درمیان کوئی تیسری لڑکی نہیں۔ سالوں سے وہ دنوں ہی ایک دوسرے کی ہمراز اور عممگسار ہیں۔ اگر نورین پکڑی تھی تو لا جلا اضروا کا زیر عتاب آنا بھی یقینی تھا۔ بڑے بھیا جو پلے ہی لڑکوں کا ہمیلیاں بناتا اور دوستیاں کا نشنا پسند نہیں کرتے، انہیں ضویا پر بگزے کا ایک اور جواز مل جاتا۔ جب سے شیر علی لاہور گیا تھا، اس معمول میں تو اتر نہیں رہا تھا۔ مینے میں ایک آدھ باروہ آتا تو عموماً وہ دیکھ اینڈھوں تھا۔ کافی بند ہوتا تھا، اس لیے ملاقات کا موقع نہ ملتا۔ ایک آدھ باروہ اپنی بھائیکی یا بھائی کے تعاون سے مل لی تھی مگر لقول اس کے شپروں نے خود ہی منع کر دیا کہ اس طرح ملنے میں خاک مزہ نہیں آتا۔ اتنا اس کی بھن کے ہاتھ اس کی گزوری آئی اور وہ آنے بمانے رہیں بٹورنے لگی تھی۔ یہ گلہ تو نورین کو بھی بھائی سے تھا کہ صرف دوباروہ اسے شیروں سے ملوانے کیا لے گئیں، اب اس پر رعب ہی تو جمانے لگی

”نمیں نورین! میرا لیکن کرو، وہ واقعی بست معمول اڑکی ہے۔ بالکل اپنی عمر کے لحاظ سے پہنچا ہے اس کے اندر۔ ہاں، ہم دنوں سے وہ الگ ضرور ہے کیونکہ ہمارا پہن تو بست ابتداء میں ہی گھونٹ کر مار دیا گیا تھا۔ لیکن عینا کی پروردش اس بے اعتبار ماحول میں میں ہوں۔ اس کے مال بابا پا بھی تک اسے ایک چوہہ مالہ بچی کی طرح ریث کرتے ہیں۔ انہوں نے اس خدا شے میں گھر کرنہ تو اپنی راتوں کی نیندیں خراب کی ہیں، نہ اس کی نندی حرام کی ہوئی ہے کہ ان کی بھی ہیں، نہ اس کے منہ پا کالکنہ مل دے۔ وہ بھائیوں کی اکلوتی ہے۔ زیادہ تر انہی کے ساتھ رہتی ہے۔ شاید اسی لیے احتشام اور حسام دنوں سے تکملہ ہیں۔ ویسے بھی وہ دنوں اس قیلی کی ہر تفریخ میں ساتھ ہوتے ہیں۔ اکٹھے وقت گزارنے سے بے اکافی تو ہو جاتی ہے۔“

”ہو سکتا ہے تم تھیک کہہ رہی ہو کہ عینا اس مارے قھے سے انجان ہے“ مگر تمہارا بھائی حسام تو اسے دوستوں کے حلقے میں ”گرل فرینڈ“ کے طور پر تارف کراہا ہے۔ اس کے ساتھ پنک اور آونٹک مل گزارے وقت کو مرچ مسالے لگا کر چٹاڑے کے ماتھ بیان کرتا ہے۔ میں نے خود کئی بارا سے کہتے نہ ہے، ہو سکتا ہے احتشام بھی یہی سب کرتا ہو۔“ نورین کی اطلاع پر اس کا دل بجھ سا گیا۔ ہر لڑکی کی طرح اس نے بھی بابا پا بھائیوں میں اپنے آئیڈیل زاش رکھتے تھے۔ اب ان کی شخصیت کے یہ دو ہرے اسیے سامنے آنے پر اس کی آزر دگی فطری تھی۔ ابھی اسی سے بھی شکوئے ہونے لگے کہ وہ اسے ہر دو ایتھر فوراً ”ٹوک کر یادو لایا کرتی تھیں، صرف اس لیے لمبے تھیں اس بھول جوک کے ہاتھوں وہ بھائیوں کے اپر قتاب نہ آجائے گرائب وہی ووریں نہ ہوں والی اس اس سب دیکھ کر بھی ان جان بن رہی تھیں۔ وہ پہلے بھی مہنا کے ساتھ اپنے بھائیوں کا مختلف رویہ اور عمر اور صہر کے حوالے سے خود پہاندیوں کے معاملے پر سنگاہی ہوئی تھی۔ یہ جھنجلاہٹ اب رفتہ رفتہ غصے

آتیں تو پتا نہیں کب تک وہ ان کے سامنے گزگرا کر اپنی صفائیاں پیش کرنے کی کوشش کرتی رہتی۔

”لو، میں نے سمجھا پتا نہیں کیا بات ہو گئی۔ سام بھائی کے ڈائٹنے میں بھلا ایسی غنیمات کیا ہے جو تمہارے دل سے لگایا ہے اور رو رو کر آئیں جاتی ہیں۔“

نورین نے سارا اقصہ سنتے کے بعد اطمینان سے کہا۔ ”چھاسنو گیا ان مہماںوں میں کوئی شوخ دل ریاحیہ بھی ہے؟“

”حسینے؟ انکل کی بیٹی ہے تو سی سی مگر تمہیں یہ خیال کیوں آیا؟“

”سارے مکھے میں شور چاہو ہے کہ ”پندوچ آک پرو ہنی آئی اسے۔“ اور تم پوچھ رہی ہو مجھے کسے بخہوئی ہے۔ یہ خبر خود تمہارے بھائیوں نے تشریک ہے۔“

اس نے منه بنا یا۔ امی وعدے کے باوجود وہ پرکے کھانے تک نہیں پہنچیں۔ مجبوراً اسے خود ہی سب کے درمیان آنا پڑا اور کھانا لگانا پڑا۔ حق میزانی اوا کرتے ہوئے وہ خود بھی وہی موجود رہی۔ اس دوران

کچھ نہیں سکتا تھا کہ اس کے یہاں آئے بغیر چارہ نہ تھا۔ اس دن عمر اور عمر دنوں کا موزع معمول سے زیادہ ہی خو شکوار تھا۔ اپنی مزاج کے مطابق بے فکری سے سب کو بھنسی مذاق کا شانہ بناتے بنا تے وقا ”فوقا“ اسے

بھی موضعی ”ٹھنڈو“ بنا لیتے۔ وہ گھبرا کرنے چرے کے ساتھ احتشام کی جانب دیکھتی اور فوراً وہاں سے غائب ہو جاتی تھیں، پچھہ ہی دیر کے بعد کسی نہ کسی کام سے وہاں پھر طلب کر لیا جاتا۔

وہ اس وقت سویٹ ڈش سرو کر رہی تھی، جب سام

بھیا کی انشری ہوئی۔ اور کیا غلط موقع پر ہوئی۔ اس نے ٹرانسل کا باول انکل سامنے کیا تھا کہ تیسرے نے چمچے بجا کر ٹرانسل کا مطالباہ کیا۔ انکل کوہن کرا شارہ کرنے پر

جبوراً ”اس نے وہیں کھڑے بازو دراز کر کے باول وہاں تک پہنچانا جاہا۔ اس کو شش میں وہ ذرا سا لڑکھا ای۔ اس کے قبھلنے تک عمر فقرہ چست کیا کا

تھا۔“

”ڈزادھیاں سے۔ یہ نہ ہو کہ بھائے ٹرانسل سے آپ خود پوری کی پوری میری پلیٹ میں آن گریں۔“

اسی کے سام بھی اندر داخل ہوئے انہوں نے ضویا کی لڑکھاہٹ بھی دیکھی اور عمر فقرہ چست کیا کا

بھی سن۔ انہوں نے اپنا ٹیکلہ مہماںوں تک سے چھپانے کی کوشش نہ کی اور بغیر کسی لحاظ کے سب کو اظہراند از کرتے ہوئے اپنے کرے کی جانب بڑھ کر پھر کچھ لئے بعد وہی ہوا جس کی ضویا تو قع کر رہی تھی۔

ان کی گرج دار آواز کوئی۔

”ضویا!“

مرتی کیا نہ کرتی، اسے جانا ہی پڑا۔ پھر انہوں نے ضویا کی ایک بات تک سننے کی زحمت گوارانہ کی اور با تکن اسے صلوتوں سے نوازا۔ اگر وقت پر اپنی سب میں شامل ہے۔“

تھیں۔

شیر علی کی تجویز پر عمل کرنے کو کمرستہ تھی اور نہ صرف خود اتنا بار سک لینے کے لئے تیار تھی بلکہ خسوسی کو بھی کل سے مجبور کر رہی تھی کہ وہ اس میں اس کا ساتھ دے اور خسوسی حیران تھی کہ اسے اپنی طرح جانے کے باوجود نورین اس سے اس مدد کی توقع کیے کر پڑیں۔

اس سے پہلے اس نے زبانی کلائی مدد بھی نہ کی تھی حتیٰ کہ اس کی خاطر جمیٹ بولنے تک بھی تیار نہ ہوتی تھی۔ صاف کہہ دیتی کہ اگر تمہیں دری ہوئی تو مجھ سے امید نہ رکھنا کہ کسی کے پوچھنے پر میں کوئی بہانہ بنا کر تمہیں پچالوں گی۔

”دستی کے لیے انسان کیا کچھ نہیں کر دالتا۔ تم اتنی سی مدد بھی نہیں کر سکتیں۔“ اب نورین نے آنکھوں میں آنسو بھر کر دستی کے واسطے دیے۔

”میہی اتنی سی مدد نہیں ہے۔ کیا تمہیں نہیں پتا کہ یہ بات تھل جانے پر میرا کیا حشر ہو سکتا ہے۔ تمہاری یہ لمبی صرف اس وجہ سے ہے کہ تم جانتی ہو کچھ بھی ہو جائے متنک تو تو نے کی نہیں کہ ایسا خاندان میں بھی نہیں ہوتا اور ہے بھی وٹے ٹٹے کام معاملہ۔ رہا مار بیٹ کا سوال تو اس کی تم عادی ہو چکی ہو بلکہ دعیت ہو چکی ہو۔ تمہارا تو مقصد حل ہو جائے گا۔ اگلے سال کی ہوتی شادی کے بجائے تمہارے ایو جوئی سے پکڑ کر تمہیں اگلے ہی روز خست کروں گے مگر زراسو جو میرا حشر کیا ہو گا جبکہ قلطی میری نہیں ہو گی۔“

”کچھ بھی نہیں ہو گا خسوسیا! تم خواہ خود بھی ڈر رہی ہو اور مجھے بھی ڈر رہی ہو۔ تمہاری تعودات ہے خوفناک منظر کشی کرنے کی۔ جب بھی بھی میں نے تیرہ سے ملنے جانا چاہا، تم نے ایسے ہی عبرت تاک نتھے بھی ٹھنچے خوب ڈراوے دیے مگر کیا بھی پکھ ہوا؟ پکھ بھی نہیں اور بھی بھی نہیں اور شیرونے جو منصوبہ بنایا ہے، وہ تو ایک دم محفوظ ہے۔ یہاں سیالکوٹ میں تو ایسی کوئی جگہ نہیں جہاں بندہ ڈھنگ سے بیٹھے کربات کر لے، اسی لیے وہ گاڑی میں آتا ہے۔ ہم لاٹک

رُوك نوٹ کر رہا تھا نہ مسلسل بدایتیں نشتر کر رہا تھا۔
بلکہ آج تو وہ اس کی کمزی نظروں کے حصاء سے بھی آزاد نہیں۔ اس کی تمام تر توجہ عنایتی تھی جو بے چد دلچسپی سے انارکلی کے بانو بازار کی گماہنی دیکھ رہی تھی اور نہایت اشتیاق سے ہر چیز کا جائزہ لیتے ہوئے مختلف سوال کر رہی تھی۔

اختشام بڑے ٹھنڈے سے اس کے ہر پچانہ سوال کا جواب دے رہا تھا جو خسوسی کے لیے باعث حیرت تھا، ورنہ اس سے پیشتر خسوسیا کو جب بھی اپنی کے ساتھ بازار آئے کا الفاظ ہوا، اختشام کی وجہ سے وہ سخت بدھل ہوتی تھی۔ اور اب وہی اختشام بلند آواز میں عنایت سے باقی بھی کر رہا تھا، عنایتی بھی لگا رہا تھا، شاپنگ کے لیے اسے مشورے بھی دے رہا تھا۔ اس وقت اسے بالکل سروکار نہ تھا کہ اس کی بہن کی چادر چلتے ہوئے سر سے ڈھلک تو نہیں گئی۔ راہ چلتے کسی اوباش نے اس پر گندی نظر تو نہیں ڈالی۔

”خسوسیا آپی اچھت کھائیں، بست دل کر رہا ہے؟“ اس کی فرانش پر خسوسیا سوالیہ انداز میں اپنی کی جانب دیکھنے لگی۔ اپنے جواب دیا۔

”جھاپٹا ضرور، بھی پیک کروالیتے ہیں۔ ویسے بھی شاپنگ تکمیل ہو گئی ہے۔ اب گھر ہی تو چلانا ہے۔“

”اوہ ہوں سی پیک کرو اگر گھر نہیں لے جانا۔ اس میں کیا مزہ پیس پر کھاتے ہیں، دیکھیں ناکنارٹش ہے۔“

کتنی عورتیں اور لڑکیاں تھماری ہیں۔ اور گرم گرم سموسے بھی ہیں۔ سموسے تو گھر جانے تک ٹھنڈے ہو جائیں گے۔ عنایا کمال بے تکلفی سے فرانش پر ٹھنڈے ہوئی تھی، اپنی بے بس سی ہو کر اسے دیکھنے لگیں۔

کبھی کبھار۔ خسوسیا نے بست کم بازار کی شکل دیکھی تھی۔ بھاپی کے نزد ہونے کی وجہ سے اچھے لے ساتھ چلنے کو کہا۔ مسلسل انکار سے نجاں کیا تھجھتی کہ وہ اسے تمیں اپنی مہمانوں کو تھنچے دے کر رخصت کرنا تھا۔ عیناً چالیس روپے میں چاٹ، سموسے میں دلاستے۔ آخر خسوسیا نے مناسب الفاظ میں اسی پر اصل وجہ واضح کی۔

”در اصل عنایا، اختشام پسند نہیں کرتا، پوں سر را

کھٹکے ہو کر کھانے منے کو۔ بھی بھی میرا بھی بہت آج شاپنگ کے دوران مطمئن اس لیے بھی تھی کہ احتشام قدم بے قدم ساتھ ہونے کے باوجود باتات پر مجھے تو خود بہت عجیب سالگر تھے اس طرح بھرے بازار

جمع دار ہوں گے۔ در اصل اکمل لڑکی جان کر کوئی ادا نہیں بارے میں متفکر بولتا ہے یا بد تیزی نے کی کوشش کر سکتا ہے۔ تم ساتھ ہو گی تو مول اور تر ہے گی۔“

”اپنی ساتھ ہوں گی تھی؟“ بھول جاؤ کہ اس اثر سے بہا کر تم مجھے تاکل کر لوگی۔ تم تو تغیر سمجھنے بھانے کی حدود سے نکل آئی ہو، اسی لیے میری بلا ہو۔ در پڑی کو مگر خدا کو اساطی ہے کہ مجھے مجبور مت اور نہ دستی کے نام پر اور نہ اپنی اس فضول محبت کے لامپے۔“ بحث ختم کرنے کی غرض سے وہ دہاں سے اٹھا گئی۔

اس نے یہ سوچ کر شکرا کیا کہ کل انکل بیع اپنی بیلی کے کوئی چار ہے ہیں۔ یعنی اب اس کی کمزی نہیں کا دور ختم ہونے والا تھا۔ وہ آج کا نہیں میں۔ کل سارا دن نورین نے مسلسل اصرار کے

اریعے اسے اس قدر نیچ کر دیا تھا کہ وہ دوبارہ اس کا مامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اپنے خود اس سے چھٹی رنے کا کہا تو وہ راضی خوشی مان گئی۔ بھاپی اب تک

پیکے سے نہ لوئی تھیں۔ ویسے تو بڑے بھیاں کو کوئی کوئی رکنے کی ہرگز اجازت نہ دیتے مگر آج کل چونکہ گھر

میں دو دو جوان جہاں ”لوڈوں“ کا قیام تھا، اس لیے وہ یوہی کو کمالِ مریانی سے میکے میں رکنے کی اجازت دے یعنی۔

ای بھیش سے اکمل ہی بازار جایا کرتی تھیں، وہ بھی کبھی کبھار۔ خسوسیا نے بست کم بازار کی شکل دیکھی تھی۔ بھاپی کے نزد ہونے کی وجہ سے اچھے لے ساتھ چلنے کو کہا۔ مسلسل انکار سے نجاں کیا تھجھتی کہ وہ اسے تمیں اپنی مہمانوں کو تھنچے دے کر رخصت کرنا تھا۔ عیناً

بھی ساتھ چل رہی تھی۔ اختشام وہ ایور کم گارڈ کے طور پر ہمراہ تھا۔

ای نے اس کے مشورے سے خریداری کی۔ وہ

آج شاپنگ کے دوران مطمئن اس لیے بھی تھی کہ احتشام قدم بے قدم ساتھ ہونے کے باوجود باتات پر مجھے تو خود بہت عجیب سالگر تھے اس طرح بھرے بازار

ڈرائیوریا کسی جگہ چکر لیتے ہیں لیکن خود سونے،“ آدھ پون گھنٹے میں کیسے مٹتی سکتی ہے، اسی تھے۔“ نے کہے کہ کسی بہانے میں لاہور آجائیں۔ طاری ہو رہی جانے کے لئے تیار تھی بلکہ خسوسیا کے ساتھ دے اور خسوسیا حیران تھی کہ اسے اپنی طرح جانے کے باوجود نورین اس سے اس مدد کی توقع کیے کر

با رکھریں یہ کہہ دیں کہ ہم نے بھی کی گیم میں ملے ہوئے تو جلدی نکل سکتے ہیں۔ سات بجے والی کہہ دیتی تھیں تو ساڑھے نویاوس بجے تک لاہور پہنچ جانے گے۔ دس بجے سے لے کر دوپہر کے دو بجے تک بس وقت ہو گا۔ ڈھانی بجے والی کوچ سے باجھ بجے تا۔ واپس سیالکوٹ اور کوچ کا اڈہ تو کالج کے سامنے فر ہے۔ چھبیسے سے پہلے ہی، ہم کل بجے میں ہوں گے کم، احتیاط اساز ہے چھ کا نام دیں گے۔“

”اگر یہ سب اتنا آسان ہے تو تم اکیلی کیوں نہیں چل جاتی۔ مجھے کیوں گھمیٹ رہی ہو۔“

تھنگ اگر اس نے نورین کو بازار رکھنے کی کوشش کرنے کا راہ ترک کر دیا، البتہ وہ خود کو اس معا۔ سے الگ ہی رکھنا چاہتی تھی۔

”کیسے چلی جاؤں، دو ڈھانی گھنٹے کا سفر اکیلے کیے کروں؟“

”جب اتنا کچھ کرنے کی ہمت ہے تو یہ جرأت بھی خود میں پیدا کرو۔ جب تمہیں اس بات سے خوف محسوس نہیں ہو رہا ہے کہ کسی ایسی جنگی کی صورت میں تمہارے گھر سے گھر سے تمہیں کوئی لینے کے لیے مقرر، وقت سے پہلے آگیا یا تمہارے بھائیوں میں سے کسی کی رگ جاسوی پھر کیا فرض کرو؟ کوچ راستے میں کسی خرابی کی وجہ سے گھنٹہ لیٹ ہوئی تو پیا ہو گا۔ انہیں ہا چل جائے گا کہ تم بڑے سے کالج آئی، ہی نہیں۔ م

اتے خطرناک پیویشن کو نظر انداز کر سکتی ہو تو اکیلے۔ فر کیوں نہیں کر سکتیں۔“

”بات اکیلے سفر سے گھرنا کی نہیں۔ کوچ کی جنگل سے تو نہیں گزرے گی، نہ ہی اس میں کوئی جن

ہیں۔ ”وہ اور بھی بلند آواز میں دریافت کرنے لگا۔
”یا کسی نے آپ کو بتا دیا ہے کہ آپ اس انداز میں زیادہ پیاری لگتی ہیں۔ افی وے سے بات تو سیں، پلیز رکیں۔ میں آپ کے لیے ایک گفت لے کر آیا تھا۔“
”بزرگی کے رشتے کے لحاظ سے روایہ رکھنا بھی سمجھانا یہ سنت ہی اس کے قدموں کی رفتار اور تیز ہو گئی۔
اس نے پلٹ کے دیکھے بغیر اپنے کمرے میں پناہ لی۔ بلند دروازے سے گھنی وہ وہڑو ڈھر کرتے دل کے ساتھ اپنی عانیت کی دعا مانگنے لگی۔ لگتی ہی دیر وہ کمرے میں یوں کھڑی رہی۔ یہاں تک کہ بڑے بھی خود تک دے کر اندر آگئے۔ وہ فتحرے کے ساتھ لے کر جاؤں، اسے کچھ بند دروازے کو دیکھنے لگی۔ وہ پشت پہ لاتھے تاپلے رشتے واریاں لیے نہماںی جاتی ہیں۔“
ایک کی بدمل وضاحت نے بھیا کے ماتھے کی شکنیں پنهام کیں۔

”کب سے چل رہا ہے یہ سب؟“
”جب سے وہ لفٹا گیاں آتا ہے، تب سے۔“ ان کی آواز اٹک چہ دھیسی بھی گھر لجھے میں تندی لگتی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگی۔ ”کن الفاظ میں اپنی صفائی پیش کروں۔ الفاظ مل بھی جائیں تو آواز کہاں سے لاوں، آوانسے جو دوستی جارہی ہے، پانی کی اندر گھرا یوں میں۔“
”میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں ضویا!“ اب کے وہ پہنکارے۔ اتنے میں افی بھی حواس باختہ سی اندر آتیں۔

”کیا تماشا ہے یہ انعام امیں نے تم سے کہا تو ہے کہ وہ لڑکا ایسے ہی شریر اور بڑی بولا سا ہے۔ اب اس میں ضویا بے چاری کی کیا عطا۔“

”آپ اسے شہ مت دیں امی! جب تک کوئی لڑکی خود حوصلہ افزائی نہ کرے، کسی لڑکے کی کیا محال کہ وہ پیش قدمی کرے۔ اس نے کچھ تو اشارے کیے ہوں گے کہ وہ تخفی لانے کی حد تک نذر ہو گیل۔“

”آہستہ بولو۔ کیوں اپنی بہن کی بد ناہی کا سالمان خود پیدا کر رہے ہو۔ باہر مسمان بیٹھے۔“

”کیسے مسمان، نقشب زن ہیں وہ۔ شرم نہیں آتی

”کیون ساروز رو ز جاتی ہے؟ میں خود اسے لے کر کلی لگتی۔ وہ بڑی ہو رہی ہے انعاماں کل کو اسے بیاہنا ہو گا۔ کمر کھر ہستی والی عورت ہو گی۔ میں ملاپ، لین دین اور کسی کے رشتے کے لحاظ سے روایہ رکھنا بھی سمجھانا یہ سنت ہی اس کے قدموں کی رفتار اور تیز ہو گئی۔
اس نے پلٹ کے دیکھے بغیر اپنے کمرے میں پناہ لی۔ بلند دروازے سے گھنی وہ وہڑو ڈھر کرتے دل کے ساتھ اپنی عانیت کی دعا مانگنے لگی۔ لگتی ہی دیر وہ کمرے میں یوں کھڑی رہی۔ یہاں تک کہ بڑے بھی خود تک دے کر اندر آگئے۔ وہ فتحرے کے ساتھ لے کر جاؤں، اسے کچھ بند دروازے کو دیکھنے لگی۔ وہ پشت پہ لاتھے تاپلے رشتے واریاں لیے نہماںی جاتی ہیں۔“
ایک کی بدمل وضاحت نے بھیا کے ماتھے کی شکنیں پنهام کیں۔

”وہ سب تھیک ہے۔ آپ ساتھ تھیں، احتشام بھی ہمراہ تھا، اس لیے بھیجے اس کے جانے پر اعتراض نہیں۔ تکلیف مجھے اس بات کی تھی کہ آپ ضویا کو ان لڑکی عہدنا سے گھلنے ملنے کی آزادی کیوں دے رہی ہیں۔ وہ ایک انتہائی آزاد خیال اور ماڈرن لڑکی ہے۔ مل دیا۔ بن کے ساتھ اس کی دوستی کو برداشت نہیں رکھتا۔“

برآمدے میں آئن اشینڈ کے نزدیک کھڑی ضویا پڑے استری کرتے ہوئے یہ ساری باتیں سن رہی تھی۔

”اور اسی لڑکی کی اپنے بھائیوں سے دوستی تو آپ انسان برداشت کر سکتے ہیں۔“ وہ بڑی طاقتی۔

۔۔۔

”واو، آج تو آپ سر شام، ہی نظر آرہی ہیں۔“
اچانک ہی عمر نجانے کہاں سے برآمدہ ہوا۔ وہی وج کر گھبرا لی کہ کہیں بھیا یہاں ہونے والی عمر کی مقاموں اندر بیٹھے سن نہ رہے ہوں۔ اس نے جلدی سے استری کا ملک نکلا اور آدمی ریس ہوئی شرٹ اٹھا رہ سامنہ بھیا کے کمرے کی جانب پہنچی۔

”آخر آپ اتنا گھبرا لی گھبرا لی زوسی کیوں رہتی۔“

میں پلیٹھا تھیں میں تھام کر چھٹا کر رہتے ہوئے کہا۔ اس کی بات، مطلب وہ سمجھ تو لگیا، مگر خود یہ قابو پاتے ہوئے پی گیا۔ وانت کچکیاتے ہوئے اس نے مدھم آواز میں کہا۔ ”تم سمجھ نہیں رہیں بات صرف روڈ پر کھڑے ہو کر کھانے یا فوڈ پاؤ نش کے اندر جانے کی نہیں، بلکہ ہمارے ہاں عورتوں کا سرے سے ہوٹل کرنا ہی پسند نہیں کیا جاتا۔ احتشام تو احتشام، سام بھیا اور بڑے سو بھی بھی اس معاملے میں بہت سخت ہیں۔ اس لیے سو بھی تھماری یہ فرمائش تو ہم پوری نہیں کر سکتے۔“
ضویا نے بہتر جانا کہ صاف کوئی سے اسے حقیقت بتائی جائے لیکن عہدنا کارو عمل حیران کرنا۔“

”امیز نگ، احتشام تو کنی بار میرے ساتھ لج کر جکہ کہے کہ آج تمہارا اپنا جی کر رہا ہے۔ کھڑے بیٹھے سام یا انضمام میں سے کسی کو تباہی گا تو وہ یہ نہیں دیکھیں گے کہ وہ صرف تمہارے کنے پر کھانے رکی تھی۔ کیوں اس کی شامت لانی ہے۔ پڑتہ تو ہے اپنے بھائیوں کا۔“

”احتشام! میرا دل چاٹ کھانے کو چاہ رہا ہے اور سو سے بھی۔“ اس نے لاؤ سے کہا۔ جس کو سن کر احتشام فوراً ”اس کا مطالبہ پورا کرنے کے لیے مستعد ہو گیا۔“

”اسے چھوڑو، یہاں اتنی اچھی نہیں ملتی، آگے آو، دہاں تک پر جو چاٹ پاؤ نش سے وہاں کی فروٹ چاٹ اور دیکھیے پورے لاہور میں مشور ہیں۔“

ضویا حیرت سے اس کا منہ تکی رہ کئی جب کہ اتنی بیٹی سے نظریں چارہ رہیں۔

”او، کھڑی کیوں ہو؟“ اچانک احتشام نے مرکر اسے دیکھا۔

عہدنا اندر جا چکی تھی۔ جب کہ وہ وہیں ڈلی ہوئی تھی۔ اس نے اسی کا ہاتھ مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ اسی اس کے چڑے کے تاثرات اور آنکھوں کی تختی سے بہت کچھ سمجھ چکی تھیں کہ وہ اس وقت کن کیا ضرور تھیں ہیں جو گھر بیٹھے پوری نہیں ہو سکتیں۔ آپ کس لیے ہیں؟ کیا آپ خود اس کی شاپنگ نہیں کر سکتیں؟“

”نہیں، تم جاؤ، مجھے اچھا نہیں لگتا اس طرح بازاروں میں کھاتا ہیں۔“

انہیں۔ اتنی جرأت کہ میری بہن کو میرے ہی گھر میں سے ان لوگوں کو تو میں دھکے دے کر گھر سے نکل دوں گا۔ میں تو سلیے ہی اس بات کا مخالف تھا کہ جوان اور سرکش لڑکوں کو دو ہفتے تک گھر رکنے کی اجازت دی جائے اور یہی سب یہ لڑکی سے اس کی ہمتیں تو دیکھیں جس کی سب سے خوبی اور سبے حیاتی کا یہ عالم ہے کہ گھر کے اندر باب اور چار چار غیرت مند بھائیوں کے ہوتے ہوئے بھی آنکھیں لڑا رہی ہے۔ گھر سے نکل کر نجایز کرنے کا رنا میں کرتی ہو گی، اسی لیے کہا تھا اسے کانچ نہ بھیجیں، گھر پہ پرائیوریت امتحان دے لے گی لیکن آپ کو تو میری ہر بیات غلط لگتی ہے۔ دیکھ لیا میجھے۔

یک طرفہ فیصلہ ناک مرے طیش کے کمرے سے نکل گئے۔ امی نے آگے بڑھ کے اسے گلے سے لگانا چاہا مگر وہ ہاتھ جھٹک کر رہ گئی۔

”جانشی تو ہواں کی عادت۔ مزاج ہی ایسا ہے۔ زرا ذرا اسی بات پہ آئیے سے باہر ہو جاتا ہے۔“ امی نے زرا تشویش سے اس کے زرد چہرے سفید رہتے ہوں کی پھر پھر اہم اور نجاستہ ہاتھوں کو دیکھا اور کھبرا کر اسے ہلاہلا کر پکارنے لگیں۔

”ضویا۔۔۔ ضویا۔۔۔ میری جان! کیا ہوا، یو لتی کیوں نہیں۔ کچھ تو بولو، میری طرف دیکھو تو سکی۔“ مگر اس کی پھر ای نظریں اب تک دروازے پہ جی ھیں۔

”امی۔۔۔ امی۔۔۔“ باہر سے احتشام کی آواز پہ ان کے اور بھی ہاتھ پیر پھول گئے۔ انہوں نے اسے اندر آنے کا موقع نیپے بغیر ہر نکل کر آواز دی۔

”کیا بات ہے؟ میں اندر کمرے میں ھی۔“

”ہاں۔۔۔ وہ میں بتانے آیا تھا کہ میں عینماں کے ساتھ واک کرنے جا رہا ہوں مارکیٹ تک، کوئی کام تو نہیں۔“

”اس وقت جانا کیا بہت ضروری ہے۔ رات کے دس نجگر ہے ہیں۔“

امی نے ناگواری سے کہا۔ اچانک ضویا کے منجد وجود میں ارتعدش پیدا ہوا۔ وہ یہاں انداز میں دروازے پال رکھے ہیں اس نے بھائیوں کے خلاف۔ تھیں

تک آئی۔

”بہت ضروری کام ہے امی۔ اسے اور رات کے دس نجگر ہے ہوں یا پارہ اسے کیا فرق پڑتا ہے بلکہ کسی کو بھی فرق نہیں پڑتا۔“

اس کی آواز شدت کر بے پھٹ رہی تھی۔ ایک سچے کے لیے تو وہ دنوں سکتے میں آگئے۔ امی تو اس کے رد عمل کے پس منظر کا اندازہ پکھ لگا سکتی تھیں لیکن احتشام کے لیے یہ سب ناقابلِ ہمم تھا۔ وہ حیرت سے اس کی اوپر کو جنوں انداز میں جڑھی آنکھوں، لگانہ زدہ لبجے اور لرزیدہ وجود کو دیکھتا رہا۔

”کوئی فرق نہیں پڑتا اسے نہ حسام کو نہ سامر بھیا کو۔ امی آپ کے کسی بیٹے کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ چاہے وہ جو بھی کرتے پھریں۔ کسی لڑکی کے ساتھ اپنے ہی گھر کی چھت پہ پینگ اڑاتے پھریں، سیر گاہوں میں تفریح کرتے پھریں، ہوٹلوں میں کھانا کھاتے رہیں، آدمی رات کو چہل قدمی کرتے رہیں یا پھر اپنی ایک مہمان لڑکی کو اپنے دوستوں کے سامنے کرل فرینڈ کیس ان کو کوئی فرق نہیں پڑتا، ان کے لیے سب جائز ہے۔“

احتشام سب سے سلسلے اس سکتے سے آزاد ہوا اور آگے بڑھ کر اس کو دھکیلتا ہوا اندر کمرے میں لے گیا۔ امی بو کھلائی ہوئی پیچھے لپکیں اور جلدی سے دروازہ بند کیا۔ شکر ہے سب لوگ کھانے کے بعد اب تک ڈرائیکٹر دو روم میں خوش گپیوں میں مصروف تھے اور لم کا یہ حصہ وہاں سے خاصے فاصلے پہ تھا۔ احتشام نے اسے اندر لے کر بیڈ پہنچ دیا۔

”واغ خراب ہو گیا ہے کیا اس کا، کیا بکواس کر رہی ہے؟“ اس نے امی سے پوچھا۔

”ایسے، ہی۔۔۔ ذرا طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس کی اور سے انضمام نے ڈانٹ دیا،“ اس لیے غصے میں بھری بیٹھی تھی۔ ایسے میں تم آگئے تو تم پہ غبار نکل گیا۔“

”میں یہ بکواس آئندہ برداشت نہیں کروں گا۔“ آپ نے سنی نہیں اس کی باتیں۔ کیسے لیے خیالات پال رکھے ہیں اس نے بھائیوں کے خلاف۔ تھیں

ایسی ہوتی ہیں؟

"اور بھائی ایسے ہوتے ہیں؟" وہ ایک بار پھر پہنچا۔

"بھی تم نے یا کسی اور بھائی نے مجھے بن سمجھ کر پیار دینے کی کوشش کی؟ میں تم لوگوں کے نزدیک بن تھیں تھی، ایک قابل شرم رشتہ تھی۔ ہر وقت مجھے خوف زدہ رہتے ہو کہ یہیں میری کوئی حرکت تم لوگوں کا سرنپنا نہ کر دے، تمہیں زمانے کے آگے رسوائے کر دے۔ اتنے سالوں سے میں ایک امتحان میں ہوں۔ نظروں سے گرنے کا خوف، کسی شعوری یا غیر شعوری لرزش کے پکڑے جانے کا ذر، میری جان سکھائے رکھتا ہے اور آپ سب سے آپ سب لوگ کتنے بے فکر لایا پروا، آزاد اور ہر جو جھ، ہر خوف سے پاک زندگی گزار رہے ہیں۔ مجھے آج اپنے بھائیوں سے یہ سوال کرنا سے کہ گیا غیرتی یہ حرف مرذات کی ملکیت ہے۔ کیا ایک بھن کے دل میں یہ آرزو نہیں ہوتی کہ اس کے بھائی اپنے ہر کردار و کمل سے اس کا سرخراستے بلند رکھیں؟"

پتا نہیں وہ کب تک بولتی رہتی کہ احتشام نے آگے بڑھ کر اپنے الٹے ہاتھ کا ایک زوردار طمانچہ اس کے چہرے پر رسید کر دیا۔

"یہ ہے تمہارے ان بے شک سوالوں کا جواب۔ شرم نہیں آتی بھائیوں پر کچھ اچھاتے ہوئے۔" "بھائیوں کو شرم نہیں آتی بھن پر کچھ اچھاتے ہوئے۔" "وہ بلند آواز میں روئے کی۔ اپی پریشان ہو کر بھی اسے تو گھنی دروازے کو دیکھنے لگتیں کہ کیس کوئی اس کا وادیلان کر اندر نہ آجائے اور یہ معاملہ طول پکڑ جائے۔

"یاد کرو کتنے سالوں سے تم چاروں بھوپلے کچھ اچھاتے آرہے ہو۔ ہر رات پہ شک ہر روتی کی چھان بنن، میرا ہنسنا، بننا سورنا..... ہر چیز کی تفتیش اور جاسوسی۔ اپنی اسی بھن پر اس درجہ بے اعتباری کا اظہار اس کے گوارا پر کچھ اچھا لانا نہیں تو اور کیا ہے۔" "اس کا دماغ میں بعد میں درست کروں گا۔ پہلے

وعدہ کرتے ہوئے اس نے ذرا بھی یہ نہ سوچا کہ کیا واقعی وہ اتنا برادراندم اٹھا پائے گی۔ اب اپنے گھر کی چاروں یاری میں آتے ہی، ایسی کی آغوش کی گرفتاری اب کی سفید ڈاڑھی اور ماتھے کے محراب کو دیکھتے اور چاروں بھائیوں کو ایک ساتھ کھڑے دیکھ کر اس کے قدم پھر سے لڑکھڑا نہ لگے۔ اسے خود پر شرم آنے لگی کہ وہ نورین کی اس غلط حرکت میں ساتھ دینے پر آماں کیسے ہوئی۔

"تھیک ہے بڑے بھیا کی نظر میں، میں نااعتبار ہی سی لیکن خود اپنی نظر میں تو یہی سرخ رو ہوں۔ میں خود یہ سے اپنا یہ غور کیسے حتم کر سکتی ہوں، وہ بھی اپنے ہاتھوں۔ مجھے ابھی نورین کو فون کر کے منع کر دنا چاہیے۔ وہ میرے ساتھ زبردستی تو نہیں کر سکتی۔ مجھے صرف پکڑے جانے یا راز کھلنے کا ہی خوف نہیں، یہ ڈر بھی ہے کہ میں آپ اپنی نظروں سے گرجاؤں گی۔" اس نے نورین سے بات کر کے خود کو اس معاطلے سے بالکل الگ ہٹھلک کرنے کا پکارا رہ کر لیا۔

"ضویا آپ! آپ کو پیا بلا رہے ہیں۔" عہنا نے انکل کا پیغام اس تک پہنچایا۔ وہ ایسی کے سرہلانے پر اٹھ گئی۔ ایسی بھی کام چھوڑ کر اس کے ساتھ ہی اندر تک آگئیں۔

"بیٹا! بھاں سے ہم لوگ آپ سب کے لیے خاص تھے تو نہ لاسکے۔ تم سب کی عمروں اور پسند و غیرہ کا اندازہ نہ تھا، اس لیے یہیں سے یہ پکھنے تم سب کے لیے خریدے ہیں۔ امید ہے تمہیں پسند آئیں گے۔" انہوں نے آٹی کو اشارہ کیا اور وہ سب کو ان کے تھاٹھ تھمانے لگیں۔

ابو کے لیے خوبصورت گھری۔ ایسی کے لیے کشمیری شال اور جاہرست کا سوٹ۔ سب بھائیوں کے لیے شلوار قیض کا کپڑا اور روڈی میڈ میٹکی شرٹ۔ بڑے بھیا کی شادی میں بھی چونکہ وہ نہ آسکے تھے، اس لیے منہ دکھائی کے طور پر بھا بھی کو سونے کا ایک نیس سا لاکٹ سیٹ دیا۔ ضویا کے لیے بھی گولڈ کے ناپس تھے اور ایک ولٹ کا سوٹ بھی تھا۔ اس نے شکریے کے

"بھاں" میں تیار ہوں۔ تم سارا انتظام کر رکھنا۔ میں اتنی آزمائشوں میں گھری ہوں، وہی دوستی کی ایسی بھی سی۔" وہ عجیب طرح سے مسکرا لی۔

"میں تو پہلے ہی جانتی تھی تم مجھے انکار نہیں کر دیتیں۔" وہ جو شو ہو گئی۔

"تین کرو پچھے بھی نہ ہو گا، تم خوانوادو، ہم کر رہی،" ۔ ذھانی گھنٹے کا سفر ہے۔ وہاں اڈے پہ آئی تیر و آیا، نکا۔ وہ پسرو خود ہمیں واپسی کی کوچ پہنچائے گا اور وہ میں پار کرنے کے بعد ہم لوگ کانج میں ہوں گے اور بافرض اگر ہمارے آنے سے میلے بھائی وغیرہ میں نکلی آگیا تو بھلا اسے کسے پتا چلے گا کہ ہم کانج میں نہیں ہیں۔ وہ اندر جا کر تلاش کرنے سے تو رہے۔ اگر ایسی پکڑے ہوں تب بھی ہم چادر میں چھپ چھپا کر اندر ملے جائیں گے۔ ایسا کریں ہوں ان چادروں کے مائے میں اپنے اور تمہارے لیے دوسری چادریں یا نکلے آؤں گی۔ کانج کی ان چادروں کی تو اسیں پہچان لی۔

وہ اپنے "تجربہ کار" گھر کے بتا کر اس کا حوصلہ ملتی رہی۔ وہ خالی الذہنی کی کیفیت میں بیٹھی بس اونڈ سے سوکھی زرد گھاس فوج فوج کر پھیلتی رہی۔

✿ ✿ ✿

کمر میں ایک افرانفری کا سا عالم تھا۔ کھانے کے بعد مہانوں کی روائی تھی۔ ابو، بڑے بھیا سب اس جمع تھے، انہیں رخصت کرنے کے لیے بھا بھی میں آگئی تھیں۔ اس نے چور نظروں سے احتشام کی اپ دیکھا جس نے اس پہ ایک تندی نظر والے کے لارت سے منہ پھیر لیا۔ ایسے ذرا تشویش سے احوال دریافت کیا۔ وہ اسے بعد اصرار کا ج بھی تھیں مگر پھر فکر مندی رہیں کہ اس کی طبیعت اب نہ ہو گئی ہو۔ ان کی جانب سے محبت و اپنائیت کا امانت اٹھا پا کر وہ کچھ پر سکون کی ہوئی اور کچھ شرم مندہ اہم اچانک یاد آئے لگا کہ وہ جذباتیت میں یہاں سے کیا وعدہ کر آئی ہے۔ اس کا ساتھ دینے کا

آپ اسے قبو کر کے رکھیں، گھر میں غیر لوگ بیٹھے ہیں اور یہ آج ہی اپنی اصلاحیت و کھارہی ہے۔ بڑے بڑے نکل آئے ہیں۔ ایک ہی جگہ میں نوجہ ڈالوں گا۔ بس ذرا ان مہماںوں کو کل واپس چلے جانے دو۔" وہ دھماکے سے دروازہ بند کرتا نکل گیا۔ ایسی اس کے نزدیک سرخام کے بیٹھے گئیں۔

اگلے دن اس میں اتنی سکتنا تھی کہ وہ کانج جا سکتے لیکن ایسی کے مجبور کرنے وہ نہ چاہتے ہوئے بھی تیار ہوئے تھی۔ اچھی طرح بمحض تھی کہ ایسی اس کا گھر رکنا کیوں مناسب نہیں سمجھ رہیں۔ رات کو احتشام میں بھڑاس ڈھنگ سے نکل نہ یا میں تھی اور اگر بڑے بھیاں زبالی اسے عیر کی جسارت کی سن کن مل جاتی تو تمہی وہ ضویا کا حشر کر کے رکھ دیتا۔ وہ بے دل سے کانج پل آئی۔ وہاں نورین کے سوچے جھرے کا سامنا کیا۔" پرسوں اس کے انکار اور کل کی چھٹی یہ ناراضی تھیں اسی وقت ضویا کو اس کی یہ ناراضی بھی عیمت لگ دیں۔ تھی، ورنہ اس کے سے ہوئے چھرے، متورم آنکھوں اور مر جھائے ہوئے وجود کو یکروئی سوال کر دیتی۔

"اب بھی کرو، خفا مجھے ہونا چاہیے نہ کہ تمہیں۔ اتنا خرو کیوں دکھارہی ہو۔" وہ پھر بھی چھپ رہی۔

"کل تم نے چھٹی بھی صرف اس لیے کی تھی،" نا۔ مجھے سے جان چھڑانے کا اچھا طریقہ ہے۔" باہم روٹھ کے بیٹھی ہو۔ اچھا چلو چھوڑو ساری باشیں،" اس کبھی تم سے اصرار نہیں کروں گی کہ تم میری مدد کرو۔" بلا خ تھک ہار کر نورین نے اپنی ضد سے دسے بڑواری کا اعلان کیا۔ کانج آف ہوئے والا تھک۔ ضویا۔ اطمینان سے کتابیں سمیٹ کر بیگ میں رکھیں اس زپ بند کرتے ہوئے اسے دیکھا۔

"میں نے تمہاری مدد کرنے سے انکار تو نہیں کیا۔" وہ خود نہیں جانتی تھی کہ یہ فقرہ اس کی زندگی سے کیسے ادا ہوا۔ نورین بھی اس غیر متوقع بات پر اتنا رہ گئی۔

"کیا مطلب گیا کہا؟"

رہا کرتیں۔ بڑے بھائیں کی دخل اندازی قطعی برداشت نہ کرتے تھے، لیکن آج پتا نہیں کیسے وہ خود پہ ضبط نہ کر سکیں اور اگر اسے بھیا کی گرفت سے آزاد کرایا۔

”تو بڑی سمجھی بنتی ہے اس کی۔ اپنا وقت یاد آگیا ہو گا“ اس لیے ہمدردی جاگ رہی ہے۔ ”بھیا نے سب کے سامنے اس قدر جاہلانہ انداز میں ان کی بے عزتی کی مگر وہ سہہ گئیں۔

”ہاں میں سمجھی نہیں۔ آپ تو سمجھے ہیں۔ اے جانتے ہیں، پہچانتے ہیں پھر ایک باہر کے بندے کی حرکت سے تباہ ہو گرائے کیوں نارجی کر رہے ہیں۔“

”بھا بھی! آپ کچھ نہیں جانتیں۔ باہر کے بندے کی ہمت بغیر وجہ کے نہیں بڑھتی؛ جب تک کے گھر کی بیٹی ہی گھر کی عزت کے درپے ہو کر اس کی حوصلہ افزائی نہ کرے۔“

”کیا قصور ہے اس کا۔ صرف یہ کہ اس نے ابوکی احانت ملنے کے بعد وہ گفت لے لیا اور اس لڑکے کی غلطی کیا تھی؟ صرف یہ کہ اس نے یہ تنفس سب لوگوں کے سامنے ضویا کو دیا، چمپ کر نہیں دیا۔ جیسے کہ اختشام اور حسام نے عیناً تو دیے تھے۔“ ان کے بھائان اپھوڑنے پہ دنوں تک جل سے ہو گئے جبکہ بڑے بھیا سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگے۔

”ہاں تھے تو انہوں نے بھی عیناً کو پیش کیے تھے مگر آپ سب سے اور ایک دوسرے سے بھی چھپا کر البتہ عیناً نے چھپا نے کی کوشش نہ کی۔ درحقیقت اپنے بھائیوں کو ضویا کے لیے تنفس خریدنے پہ آمادہ کرنے والی بھی وہی تھی۔ اسی نے کہا تھا کہ اگر اختشام اور حسام اس کے لیے گفت لاستہ ہیں تو پھر جواب میں عمر اور عمرز کو بھی ضویا کے لیے کچھ لینا چاہیے ورنہ برا لگے گا۔“

”اب وہ بے چاری کیا جانے کے یہاں کے کیا برا لگتا ہے یہ سب باتیں اس نے میرے سامنے آئیں سے کہی تھیں۔ ان دنوں نے اسے گفت بھلے ہی چھپا کر دیے تھے مگر وہ تحریر اپنی ماں اور بھائیوں کو دکھاری

”وہ تو اب بھی مہمانوں کی محبت میں سرشار انہیں ایک پورٹ تک چھوڑنے گئے ہیں۔“ سب سے چھوٹا سام کیوں پیچھے رہا۔

”سب اپنی ابوکی بڑی میل کا نتیجہ ہے۔ ان کے نزدیک وہ اب بھی بیکی ہے، دو دفعہ پیچی بیکی۔ اس کو حد سے زیاد لاڑ دے کر سرہ بڑھا رکھا ہے۔ اتنی جرأت اس افغان کی کہ میری بہن کو سب کے سامنے تنفس پکڑا گیا۔ سمجھتا ہو گا جو لوگ جوان بہن کے ہوتے ہوئے نماں کو دندنائے کی کھلی چھوٹ دے دیں، وہ بے نیزت، ہی تو ہوں گے۔“

بڑے بھیا طیش کے عالم میں آگے بڑھے۔ اب تک اپنی کونے میں کھڑیے سب کے دل کی بھروس نکل جانے کے انتظار میں تھیں، لیکن بھیا کا حارحانہ انداز یکھ کر ترک کر آگے بڑھیں۔ ان کے پیختے تک ضویا کے بائیں بھیا کی گرفت میں آکھے تھے۔ وہ آنکھیں بھاڑ کے انہیں دیکھنے لگی۔ رویوں کی مارتوںہ سالوں سے سہ رہی تھی لیکن اب تک کسی نے اس پہ یوں ہاتھ نہ اٹھا تھا، اپنے تک نہیں۔

”پاکل مت بنو انضمام! جوان بہن پہ کوئی یوں ہاتھ اٹھاتا ہے کیا۔“ اپنی کی بات سن کر ضویا نے کانوں پہ باہم رکھ لیے۔

”بس تیجھے جوان بہن۔ جوان بیٹی۔ کیا آپ اُمگھے صرف بہن نہیں سمجھ سکتے، صرف بیٹی نہیں کہ سکتے۔“

”من لیں اس کی باتیں بھیا! اکل رات مجھ پہ ایسے ہی چلا رہی تھی۔“ اختشام نے انہیں اور بھر کیا۔

”اٹھے ہاتھ کا ایک دھرنا تھا، ساری بولتی بند ہو جاتی۔“ سام بھیا کے مشورے پہ اس نے تحریر اعلان کیا۔

”تو کیا نہ کرتا، ایسا کاراہاتھ مارا تھا۔“ گریہ بے غیرت دھیٹ ہو چکی ہے۔ اس کی آنکھ میں لحاظ رہا ہے نہ شرم یہ ایسے نہیں ڈھنڈے کھا کے سیدھی ہو گئی۔“

”کس طرح کی باتیں کر رہے ہیں آپ سب اُمگ۔“ بھا بھی عموماً ایسے معاملات میں الگ تحلیگ کر دیے تھے مگر وہ تحریر اپنی ماں اور بھائیوں کو دکھاری

لگ گئی۔

ماہول کے اس تاؤ کو سب نے ہی محسوس کیا تھا

معاملے کی تھے تک صرف انکل پیچے۔ آخر وہ اسی خاندان کے تھے۔ اتنا عرصہ باہر رہنے اور ایک قیام،

یافہ متوازن سوچ کی حامل شریک حیات کے ساتھ تھا۔ ان کی سوچ میں واضح تبدیلی ضرور پیدا کر دی تھی لیکن وہ اپنے خاندان کے مردوں کے دماغ میں بیالی جانے والی

اس ”ثیرہ“ سے بخوبی واقف تھے۔ بجائے کریدنے اس نامی دے کر معاملے کو طول دینے کے انہوں تے سرزنش کرتی نگاہوں سے بیٹوں کو خاموش رہنے کا حکم دیا۔

انتہے دنوں تک انی کے دوست اور کزن نے ان کی خوب مہمان نوازی کی تھی سوہ جاتے جاتے کوئی بد منگ

پیدا نہیں کرنا تھا تھے تھے۔ پچھے ہی پوری بعد وہ چلے گئے۔

انکل نے چلتے وقت بھی ضویا کو آواز نہ دی۔ عمر اور عمر اگرچہ اصل بات تک نہیں پہنچتے تھے مگر بیان کی جانے کے بعد سمجھلے ہوئے تھے۔ ان کے جانے کے

بعد چاروں ایک جلوس کی شکل میں ضویا نے کر رہے تک آئے۔ وہ انہیں دیکھ کر سم کر غیر ارادی طور پر بیٹے کے آخری کونے تک سرک گئی۔ بیٹے کے نیکوں نئے

ابھی تک وہ گفت کہ پیک پڑا تھا جسے ضویا نے کھونے کی زحمت گوارا کیے بغیر یوں لا کر پڑھا تھا جسے کسی نے کوئی

عذاب طوق کی طرح اس کی گردان میں لا دیا ہو۔

”نکل تک تو بڑھ جڑھ کے بول رہی تھی پھر یہ سب کیا ہے۔ آخر معاملہ تھے لینے اور دینے کی حد تک کیتے پہنچا گئے“ یہ اختشام تھا۔

”میں تو پہلے ہی کھنک گیا تھا۔ اسی سے سختی سے کہا تھا کہ اسے قابو کر کے رکھیں۔ آخر لڑکی ذات کا معاملہ ہے۔“ سام بھیا نے اسی پہ الزام دھرا۔

”امی کی کیا بات کرتے ہو سام! انہوں نے توات سال پہاڑی میں کیا جھک ماری ہے جواب تک دنیا کوں سمجھ سکیں۔“ بڑے بھیا نے انتہائی بد شیری سے زہر اگلا۔

”اگل اور تیل کو کشا کرنے کا انجمام کیا ہوتا ہے؟“ اب پاچلے ہاں بوجی کو۔“

ساتھ گفت لیے اور بڑیے بھیا کے اشارہ کرنے سے پسلکی دوہارے لکھنا چاہتی تھی کہ آئی نے روک دیا۔

”اگرے بھی کہاں جا رہی ہو۔ عینا، عمر اور عمر بے بھی تم سب کے لیے کچھ نہ کچھ لیا ہے۔“

عینا نے ضویا کو ایک سفید نوائے دیا۔ وہ اس کے بچپنے پہ نہیں دی۔ حسام کو دارمی، اقت Sham کو واک میں اور بڑیے بھیا اور سام پھیا کے لیے اس نے ایک ایک پین لیا تھا۔ بھا بھی کو فریم دیا۔ اسی طرح عمر، عمر

نے بھی بھاروں بھائیوں کو مختلف چیزیں دینے کے بعد ضویا کی جانب ایک خوبصورت پینگل والا گفت

بڑھا۔ یہ واحد گفت تھا جو پیک تھا، سب ہی ٹھنک

ضویا جھجک کرای اور ایو کے چھرے کی جانب دیکھنے لگی۔ بھائیوں کی جانب نظر ڈالنے سے البتہ اس نے احتراز ہی کیا۔ ابو کے تاثرات میں رضامندی کی جھنک

پاک اس نے خاموشی سے گفت تمام لیا۔ وہ جواب میں شکریہ تک ادا نہ کر سکی جس کو عمر نے فوراً ”نوت کیا۔

”یہ کیا سے اتنی محنت سے تلاش کر کے اور اتنی محبت سے پسند کر کے میں آپ کے لیے گفت لایا اور آپ شکریہ تک نہیں کہ رہیں۔ اچھا چیزیں کھول کے تو دیکھیں پسند آیا ہیں۔“

”عمر بہت کاشیں تھا آپ کے لیے گفت سلیکٹ کرتے ہوئے۔“ عمر نے بتایا۔ ”اے کیا چیز ہو جو آپ کے شایان شان بھی ہو اور جس کے ذریعے عیمر اپنی فیلنگز بھی آپ تک پہنچا سکے۔“

اگرچہ اس نے زرا قریب ہو کر خاصی آہستہ آواز میں یہ بات ضویا سے کہی تھی مگر بڑے بھیا کے تیز کانوں تک با آسانی پہنچ گئی۔ ان سے خود پہ ضبط کرنا دشوار ہو گیا۔

ضویا تو پہلے ہی عمر کو اپنے کان کے قریب آتے دیکھ کر بد کی تھی۔ بھیا کے چھرے کے گڑتے زاویوں سے خوف زدہ ہو کر وہاں سے باہر نکل گئی۔ بڑے بھیا کے ساتھ ساتھ سام بھیا اور اختشام کو بھی ایک چپ

تم اپنے اسی دوست سے قرضہ کیوں نہیں مانگ لیتے؟

”مانگ سکتا ہوں مگر یہ سوچ کر شرم آتی ہے کہ وہ کیا سوچے گا۔ ہم لوگ اتنے ہی گھنے گز رے ہیں کہ ضرورت کے وقت ہمارے گھر سے ہزار بارہ سو کی معمولی رقم بھی نہیں نکل سکتی۔“

”لواس کی کسرہ اٹی بھی۔ اب ہم گئے گز رے بھی ہو گئے۔“ ابو جی ایکدم گھرے ہو گئے۔ وہ اب تک لڑکپن میں کھائے جانے والی ماڑوں کے خوف کے زیر اثر تھا، اس لیے دبک کے رہ گیا۔

”اور اگر تم نے اس کی ڈرائی بائزیوں میں اگر اسے روپے دیے تو مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔“

وہ جاتے جاتے ای کو بھی دھمکا گئے۔ ان کے جانے کے پس پکھہ در بعد تک احمد مل، ہی مل میں کڑھتا بیا اور پھر آخری کوشش کے طور پر ای کی منت کرنے پن میں چلا آیا۔

”میں پکھہ نہیں کر سکتی۔ اب میرا باقہ اتنا کھلانہ نہیں کہ خرچے میں سے پس انداز کر کے رقم جمع کروں۔ ہونڈنے سے ہزار نو کریاں کھاں سے ملیں گی۔ میں بھی عیاشی کے لیے پیے نہیں مانگ رہا، زائر کے پاء جی نے اسلام آباد میں میری نوکری کی بات کی ہے۔“ تقریباً کیکی، ہی بھیں۔ لیں ایک اثر بیو تو رہنا ہی ہو گا رکی کارروائی کے طور پر۔ مجھے صرف آنے جانے کا کرایہ دے دیں۔“

”میں تمہارے دھکو سلوں میں نہیں آسکتا۔ جسے تم خود دیے تمہارے دوست۔ خود تو بے کار بیٹھا کئی ساول سے بے مقصد ڈگریاں لیے جا رہا ہے۔ خود کیوں نہیں کریتا نوکری۔ سب سمجھتا ہوں میں۔ صرف کھونے پھرنے کے لیے پیے ہتھیانے کا ایک طریقہ ہے یہ۔“

”صرف ہزار بارہ سو ماٹنے کو آپ مطالبے کا نام دے رہے ہیں۔ دو سال ہوئے میں نے جیب خرچ کے نام پر ہراہ وہ سات آٹھ سو تک لینا چھوڑ دیا ہے۔ بھی آپ کو ترس آئے تو دوسرے تیرے دن جیب میں بیس روپے ڈال دیتی ہیں۔ مجھے سگری شپان یا اسینما کے لیے نہیں، نوکری کی خاطر انہوں یہ جانے کے لیے پیسے چاہیں۔ ایک طرف آپ سب تو گھرے ہے کہ میں اب تک نوکری حاصل کرنے میں کامیاب کیوں نہیں

”کرنا کرنا پکھہ نہیں، بھانے سے میے بُورنے آتے ہیں بس۔“ ابو جی نے اس کے مطالبے پر موڑ خراب ہزیا۔

”اس عمر میں“ میں اگر محنت کرتا ہوں، پکھہ کھاتا ہوں تو صرف اپنے لیے اپنی دوا اور علاج کے لیے ماکہ ہذل کے آگے باقہ نہ پھیلانے پڑتے۔ مروں تو جیب سے اتنی رقم نکل آئے کہ کفن و قلن کا انتظام بغیر پندے کے ہو جائے یوں آئے روز منہ اٹھا کے اپنے امالے میرے سامنے مست لا یا کرو۔“

”تو نکال جاؤں ابو جی! اس سے ماگولہ۔“ ”ساری عمر کیا مانگتے ہیں رہو گے، اتنا نہیں،“ وہ اکہ ل، لہا کر نوکری ڈھونڈو۔ کوشش کر دے تو پکھہ حاصل ہو گا۔“

”مانگنے پر ایک ہزار روپیہ تک تو ملتا نہیں،“ ہونڈنے سے ہزار نو کریاں کھاں سے ملیں گی۔ میں بھی عیاشی کے لیے پیے نہیں مانگ رہا، زائر کے پاء جی نے اسلام آباد میں میری نوکری کی بات کی ہے۔“ تقریباً کیکی، ہی بھیں۔ لیں ایک اثر بیو تو رہنا ہی ہو گا رکی کارروائی کے طور پر۔ مجھے صرف آنے جانے کا کرایہ دے دیں۔“

”میں تمہارے دھکو سلوں میں نہیں آسکتا۔ جسے تم خود دیے تمہارے دوست۔ خود تو بے کار بیٹھا کئی ساول سے بے مقصد ڈگریاں لیے جا رہا ہے۔ خود کیوں نہیں کریتا نوکری۔ سب سمجھتا ہوں میں۔ صرف کھونے پھرنے کے لیے پیے ہتھیانے کا ایک طریقہ ہے یہ۔“

”ابو! پلیز۔ میری بات کا یقین کریں۔“ وہ روہانا ہے گیا۔

زائر نے مکمل تسلی کرائی تھی کہ یہ جا ب سو فیصدی اس کی ہے پاء جی کا بہت قریبی دوست تھا جس نے پکا دہا کیا ہے۔ مایوسی اور ناامیدی کے اس دور میں امید آیا کہ لہ کھونا نہیں چاہتا تھا۔

”اچھا چلیں قرضہ جان کر دے دیں۔ جب نوکری مل جائے گی، تب تو یقین آجائے گا۔“

”خنی کیونکہ اس کے دل میں کوئی چور نہ تھا، کوئی کھلانے تھا۔“ چوران کے دلوں میں تھا جو چھپ کر یہ تباولے کر رہے تھے۔ نیت میں فوران کے تھا اس لڑکے کے نہیں جو سب گھروالوں کے سامنے اعلانیہ تھنڈوے رہا تھا۔

”بھیا! یہ آپ کی بیوی ہیں جو گھر کا ماحول خراب کر رہی ہیں۔ بالکل ایسی ہی باشی رات یہ لڑکی بھی کرو رہی تھی۔ ضرور بھا بھی ہی اسے الٹی سیدھی پیش ایں ہاتھی رہیں، بھائیوں کے غلاف اس کا کرباگی بنا دیا ہے اس کو۔“

”بھیا نے ضویا کو چھوڑ کر اپنی بیوی کو پکڑ لیا اور تا بروڑ طمانہوں سے اس کی تواضع کر دی۔ ضویا کی چینیں نکل گئیں۔ اسی بھی زار و قطار روتے ہوئے انہیں کھینچنے لگیں۔“

”ہوش کرو انضمام، یا گھل مت ہو۔“ ”ہوش میں تواب آیا ہوں۔ اس کی میرے ساتھ بنتی نہیں، میری پابندیاں اور اصول اسے قید اور سزا لکھتے ہیں۔ اس سب کا دلہ یہ بد نیت اس طرح لے رہی ہے کہ میری بہن کو خراب کر کے اس گھر کی عزت تباہ کرنے پر مل گئی ہے۔“

”اطیناں سے کھڑے بھا بھی لی یہ درگت دیکھ رہے تھے، بلکہ احتشام کے خیالی میں تو ان کی تواضع اس سے بھی شاندار ہوئی جائیے گی۔ آخر انہوں نے اس کا بھانڈا جو یہودا تھا۔“

”ظلم مت کرو انضمام! وہ دسرے جی سے ہے۔ پکھہ ہو گیا تو ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے سنہ اتنا ظلم کا میرے نچے۔“ بالآخر ایسا چوتھو گھر مل گزرا نے لگیں۔ بھیا نے بڑا احسان کرتے ہوئے باختہ روکا۔ اسی ادھی مولی بھا بھی کو سنبھالنے لگیں۔ ضویا کے حواس مخلل ہو چکے تھے۔

”او رقوی۔“ بڑے بھیا نے رہا ساغبار ایک زوردار

یہ ایک ہلکا سایٹ بچا تھا۔ ایک لاکٹ، ٹالپس اور انگوٹھی پر مشتمل ڈیڑھ تو لے کا جو انہوں نے اس بھائی کی شادی پر ان کی دلمن کو منہ دکھائی میں دے دئے تھے۔

”یہ میری امی کی ہی ہے۔ میرے ابو کی کمائی کیا، بھا بھی کے پاس زیور کی کیا کی۔ جیز کا بھی ہے اور چند ہزار کی مالیت کی انگوٹھی کی کیا حیثیت ہے۔ میرا مقصد حل ہو جائے تو ایسی چار انگوٹھیاں بنو اکر بھا بھی اُن شکریے کے ساتھ لوٹا دوں گا۔“

اس نے دزدیدہ نظریوں سے واش روم کے بند دروازے کی جانب دیکھا اور انگوٹھی جیب میں ڈال کر دبے پاؤں وہاں سے نکل گیا۔ اس کا رخ صرافیہ بازار کی جانب تھا۔ انگوٹھی پورے تین ہزار میں بھی تھی۔ وہی سے وہ سیدھا ریلوے اسٹیشن گیا۔ کل صبح سوریے پل سیٹ بُک کر دائیں اپسکھر جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ ”مجھے بلا مل جانے تک گھر کا رخ نہیں کرنا چاہیے۔ اب تک تو بھا بھی نے گھر بھر سرپہ اٹھا لہ ہو گا۔ اسلام آباد جلتے ہی حاب ملنے کی خبر سناؤں گا۔ سب اس بات کو بھول جائیں گے لیکن فی الحال نہیں۔“

اس نے رات زائر کے فلیٹ پر گزارنے کا فیصلہ کیا بلکہ اسے یہ سارا دن بھی وہاں چھپ کے گزارنا تھا۔

* * *

ہوا تو وہ سری جانب اتنا اچھا موقع ہاتھ سے نکل رہا ہے، مگر کوئی مدد کرنے کی تیار نہیں۔“ امی اس کے دکھرے روئے سے بیزار ہو کر چادر پیٹ کر گھر سے نکل گئیں۔

”احسن بھائی کو فون کیے نہیں فون پر تو وہ دیے ہی انکار کر دیں گے۔ گھر آنے والے پیغمبرات کرتا ہوں۔ کل یا پرسوں ہر حال میں مجھے اسلام آباد پہنچنا ہے ورنہ ایک بار بھا بھی سے بات کر کے دیکھتا ہوں۔“

اسے امید تھی کہ احمد سی اور خود پسند بھا بھی پہلے کی طرح اس کی باتوں میں آگر کچھ تھوڑے بہت سے تو دے دیں گی۔ باقی احسن بھائی سے مل جائیں گے مگر بھا بھی شاید اب منتظر ہو گئی تھیں۔

”مجھے تو معاف ہی رکھو۔ بہت دھوکے کھالیے میں نے تمہاری بھولی صورت سے۔ بھا بھی ماں بھا بھی ماں کہتے تم مجھے البتاتے رہے۔ منہ پہ بھا بھی ماں اور پیغمبر پیغمبر سے ہونیں سارا خاندان ہی دو غلام ہے، لاپچ اور جھوٹا بھی۔“

”بھا بھی!“ وہ ضبط نہ کر سکا۔ ”بات میری ہو رہی ہے، آپ امی ابو کو درمیان میں متلا میں۔“

”ہائے ہائے بڑی غیرت المدرہ ہے۔ اتنے آبرو والے ہو تو اپنی کمالی کا کھا کر دکھاو۔ بھائی کی روٹیاں توڑتے ہوئے تو شان نہیں گھشتی۔“

وہ اسے نکلا سا جواب دے کر واش روم میں بند ہو گئیں جو اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ جا سکتا ہے۔ مٹھیاں بھینچ کر اپنے اشتعال پر قابو پا تا احمد پلٹنے کو تھا کہ اس کی نظر سائیڈ ٹیبل پر پڑی بھا بھی کی گولڈ رنگ پر پڑی۔

”میرے پاس تو کوئی زیور تک نہیں بچا کہ پیچ کر تھیں رقم لاریت۔“

امی کی بات اس کے دماغ میں گونجی۔ مقناطیسی انداز میں وہ آگے بڑھا۔ اگلے ہی پل انگوٹھی اس کے پیٹھ میں تھی۔ وہ اس انگوٹھی کو پہچانتا تھا۔ یہ امی کی تھی۔ امی نے اپنے زیور کا بڑا حصہ بجیا کو جیز میں ریا تھا۔ باقی اس گھر کی تعمیر کے سلسلے میں بُک گیا۔ صرف

چلنے کے لیے تیار ہو گئی لیکن ضمیمانے سختی سے انکار
کر دیا۔ وہ تو پسلے ہی شیر علی کی نظروں اور باتوں سے فرار
چاہتی تھی۔ بیہاں سے تو جانہ میں سکتی تھی۔ اگر انپر کے
چلے جانے سے اسے کچھ دیر کی تنالی مل سکتی تھی تو
اسے اور کیا چاہیے تھا۔ اس کے انکار پر نورین نے
بھی مزید اصرار نہ لیا۔ شاید وہ بھی شیر علی کے ساتھ
اکسلے وقت گزارنا چاہتی تھی۔

آن دونوں کے جانے کے بعد اس نے دروازے کا
لاک اچھی طرح چیک کیا۔ چہرے سے حباب ذرا سرکاریا
اور گرے گمرے سانس لے کر دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہیا،
لیکن دل کی پھانس تھی کہ کسی طرح نکل ہی نہ رہی
تھی۔ اتنے میں نزدیک کسی مسجد سے اذان کی آواز
گوئی تو وہ چونک گئی۔ فوراً ”وضو کر کے اس نے ایک
کونے سے جائے نماز بھی برآمد کیا۔ شیر علی کے
کپڑے میں جائے نماز کی موجودگی بھی ایک حرمت انگریز
چیز پڑھی۔

”اے اللہ! تو دل کے حالی کو بہتر جانتا ہے۔ اگر
میری لغزش قابل معافی ہے تو مجھے معاف کر دے۔ اگر
میری بد نیتی بھی اس میں شامل ہے تو اے رحیم و رکیم!
تب بھی مجھے معاف کر دے۔ اپنی رحمانی کے صدقے
مجھے بخش دے۔ میرے لیے بہتر کرنا میرے اللہ۔۔۔
بہتر۔۔۔ جو تیرے نزد مکہ بہتر ہو۔“

اس نے دعا مانگ کر ہاتھ اپنے بھیگے چہرے پر
پھیرے۔ نظر سامنے اٹھائی تو ایک اجنبی چہرے کو
دروازے کے نزدیک اپستاہ پایا۔ اس اجنبی کے بھی
کم و بیش وہی تاثرات تھے۔ ہاں ان میں استحقاب زیادہ
تھا جبکہ ضویا کی حیرانی میں ایک خوف بھی کنڈلی مارے
بینٹھا تھا۔

”تو کیا میرے اللہ نے میری تو بسی میری
معافی قبول نہیں فرمائی یا وہ مجھے کسی اور آزمائش میں
ڈالنا چاہتا ہے“ وہ خشک ہوتے حلق کو ترکرنے کی
کوشش کرتے ہوئے اگلے لمحے کا انتظار کرنے لگی۔
اس لمحے کا جو نجات اس کے لیے کیا سمجھئے لارہا تھا۔
مکمل بتاہی۔۔۔ رسولی۔۔۔ یا پھر۔۔۔ پچھو اور۔۔۔

۱۱۔ خالی دامن نہ کرنا۔ یہ سوچ کر معاف کرو دینا کہ
اپنی نیت میں گناہ شامل نہ تھا۔ ”
”اہل ہی دل میں نجاتے کتنی منتیں مان پیٹھی۔ یہ
ہاتھ طویل لگ رہا تھا کہ اس تصور سے ہی اس کے
باہر نہ کوئی خست بھرپوری کہابھی اسے اپنے گھر تک پہنچنے
میں لئی نہ کھشے باقی ہیں۔ اس کا بس نہ چل رہا تھا کہ پلک
بائیے میں اودا ایک دم گھر پہنچ جائے

شیر علی نے انہیں اڈے پہ آیک منٹ بھی انتظار
نے کی زحمت نہ دی۔ وہ پہلے سے وہاں نیکسی لیے
ادھا۔ فلیٹ کے اندر آنے پر بھی اس نے نورین
لئنے کے باوجود جاپ چڑے سے نہ اڑا۔ وہ سر
پر تک عبامیں لمبوس ہونے کے باوجود شیر علی کی
متن زگاہیں اپنے وجود کے آپار محسوس کر رہی تھیں۔
ناکل دھماڑیں بار بار کے روئے کو چاہ رہا تھا مگر وہ خود
تابو پانے کی سلسل کوشش کرتے ہوئے اس
ے وقت کے لمحہ بے لمحہ سر کرنے کا انتظار کر رہی

۷۱
ایک ہی کریے کافلیٹ تھا۔ وہ کہیں اور جا کر بھی
ہیں بیٹھے سکتی بھی اور نور سن اور شیر علی کے جذباتی
ہائے بھی اسے سخت گراں گز رہے تھے۔ اس نے
۱۰۱ ایک رسالے کی ورق گردانی کے ذریعے مصروف
ہنا چلا گمراں میں بھی سراسر ناکام رہی۔ پہنچتے تین
مہینے سے وہ جس بے چینی میں کھڑی ہوئی تھی۔
یہ سے پہلے بھر کے لیے دامن چھڑانا مشکل تھا۔

”پھولوں نا۔ تمہیں اور تمہاری ایکی لولاہور ہمہا
۱۱۱۔ یہاں ایکسپریکٹ میں جشن بھاراں کے نام سے
۱۱۲۔ اکاہے۔ جھوٹے، بھٹکی کی سواری، خوب مزا آئے
۱۱۳۔ کھانا بھی وہیں کھائیں گے اور تمہیں تمہاری پسند
۱۱۴۔ اپنے بھتی جراووں مکا۔“ وہ بات نورین سے کر رہا تھا
۱۱۵۔ ”میری بار بار ضویا یہ بھٹک رہی تھیں۔ وہ شاید اس
۱۱۶۔ ٹھین کی جلوہ آرامی کے لیے بے تاب تھا لیکن
۱۱۷۔ نے جوش میں یہ سب محسوس ہی نہ کیا۔ وہ فوراً

ڈالنا۔ ”جو ابا“ نورین نے اسے اس بڑی طرح مکمل کے دیکھا کر وہ حسپ کرتی۔

”لکھو ضویا! میں تمہیں اغوا کر کے نہیں لائی، بلکہ سوچنا تھا یہ سب۔ اب اگر خود پر کنٹروں نہ کیا تو خود تمی مزدگی اور مجھے بھی مرواؤ گی۔ تب چپ چاپ بیٹھ کر رہو۔“

ضویا بھی سمجھ گئی کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ وہ سکے دل میں پیر ڈال چکی ہے، مزید ہاتھ پیر بارنے سے اور اندر تک دھنسنے کا خطرہ تھا۔ اس نے اپنا معاملہ اللہ کے پروکیا اور پیش سے سرٹیک کر آنکھیں منڈلیں۔

”یا اللہ! تو میری نیت جانتا ہے۔ میں نے یہ فیما۔
اپنے حواسوں میں نہیں کیا۔ تو نے غصے کو اسی تیار کرنا
قرار دیا ہے، غصے کی حالت میں کچھ سوچنے بخشنے کی
صلاحیت نہیں رہتی۔ اس وقت میں بھی غصے میں
بھٹکی۔ نہ میری نیت گناہ کی بھٹکی، نہ میرے کروار میں
جھوول ہے۔ میں تو وقتی طیش کے زیر اثر صرف یہ
ہابت کرنا چاہتی بھٹکی کہ اگر کوئی لغزش کرنے پے آتا ہے،
اس کا دل گناہ اور بے ایمانی کی جانب مائل ہو تو۔
زنجیریں توڑ کر بھی اپنی من مانی کر سکتا ہے۔ میں۔
اگر اپنے خاندان کی عزت اور باپ کے وقار میں بھی
کوئی کی نہیں آنے والی تواں کی وجہ میں خود ہوں، مجھے
چہ لگائی بابندیاں نہیں۔ ہاں میں بست غلط بھٹکی اللہ میاں
مجی!“ اس کی بند پلکوں کی باڑ سے آنسو جھتر جھر بننے لگا۔

”اللہ میاں جی! بس ایک بار مجھے معاف کر دیں؛
میرا یہ رکھ لیں۔ میں لکھتی نادان ہوں، کس کا نام۔“

کس پہ نکال رہی بول۔ یہ بھی نہ سوچا کہ اس کا...
سے زیاد اثر کر لے رہے گا، میرے اپنے اور ایک...

کیا میں ہمیشہ ہمیشے کے لیے اس مجبت بھرے بوسہ
— محمد علی گاندھی کا آئینہ کوچھ اور

کے روم، ہوجوں لیا بیسا اندھہ۔ ۰۴ اپریل سے
سامنے میری ڈھالی بن سکتیں گی؛ کیا میں یہ سائناں ہی:
کے لیے کھوڑوں گی۔ نہیں اللہ میاں جی! مجھے نال

قسم کا یہ جان، نہ سنسنی نہ خوف، نہ شرمندگی لیکن جیسے
ہی کوچ سیالکوٹ سے روانہ ہوئی اس کے حواس قابو
میں آنے لگے۔ اسے صحیح معنوں میں احساس ہونے لگا
کہ وہ کیا کرنے جا رہی ہے۔ اس نے بے چین ہو کر رابطہ
بیٹھی نورین کا ہاتھ اپنی پتکی ہوئی مٹھی میں تھام لیا جو
اڑ کے بر عالم قدرے مطمئناً ہے۔

”نورین! ہم... ہم غلط تو نہیں کر رہے۔“ شایدیہ
سوال اس نے نورین کے بجائے خود سے کیا تھا۔ اس
کے اندر سے شد ویر سے جواب آتا۔

”غلط“ بست غلط۔۔۔ زندگی کی بھی انک ترین غلطی
کرنے جا رہی ہو تم۔۔۔ وہ اسی وقت واپس جانے کے
لئے تاب ہو گئے۔۔۔

”تُورین! اب بھی وقت ہے۔ چلو، واپس چلتے ہیں۔“ کچھ دیر تک تو تُورین نے اس کے ٹھوکے دینے اور سرگوشیوں بھرے اصرار کا جواب دھشائی سے گول کر دیا، پھر اس کے مسلسل مننا فی پر وہ نزیح ہو گئی۔

”تک مت کرو ضریبا! ہم اس وقت سیال کلوٹ سے نکل آئے ہیں۔ یہ ڈرائیور، میں واپس اڈے تک تو پہنچانے سے رہا۔ ہاں اس دیران سڑک پر ضرور اتار سکتا ہے، اگر ہم نے واپسی کا کہا۔ اس سڑک پر دور دور تک رکھئے، نیکی کا کوئی امکان نہیں۔ کیا کسی ٹرک والے سے لفت لے کر جانے کا ارادہ ہے یا پھر پسال سے ایسی ہی دوسری کوچز اور دیگنیں گزر رہی ہیں لیکن وہ اڈے کے علاوہ راستے میں سے مسافر نہیں بُھاتے، چپ کر کے بیٹھی رہو، لوگ متوجہ ہو رہے ہیں۔“

”مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے“
 ”میں نے کہا تا“ آواز بذر کھو۔ کسی کے کان میں
 بھنک پڑ گئی تو خواجہ شنگ کریں گے ڈرنے کی
 ضرورت نہیں، کچھ نہیں ہوتا۔ اس آدھا سفر تو سمجھو
 طریقہ گما۔ بہت اسٹو سرخالا بسا سڑھائیں۔“

”بچتے ڈر کے ساتھ ساتھ بہت عجیب سامنوسیں ہو رہا ہے۔ ایک محربانہ سی شرمندگی۔ اس طرح اتنے محبت کرنے والے ماں باپ کی عزت کو خطرے میں

”آپسے آپ کون۔؟“ اس اجنبی نے اپنی حیرت پر قاچوپاتے ہوئے سوال کیا۔ ضمیماً اس سوال کی میں توقع نہیں کر رہی تھی۔ یہ سوال تو وہ خود ایسے کرنا چاہتی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ یہ سوال دہراتی یا اس کے سوال کا جواب دیتی۔ دروازے پر ہونے والی زوردار دستک نے ان دونوں کو ہٹر بٹا کے رکھ دیا۔



ٹکٹ خرید کر احد، زائر کے فلیٹ تک آیا۔ گھر والوں سے کل تک بھی کے رہنے کے لیے اس سے بستر مقام اور کوئی نہ تھا۔ بھی ایک محیب اتفاق تھا کہ پہلے دو سال سے دستک بلانامہ زائر سے ملنے اس فلیٹ تک آتا تھا، گھر والے یہ بات جانتے تھے کہ اسی مارکیٹ کی کسی بلڈنگ میں احد کا دوست رہائش پذیر ہے مگر نہ تو وہ فلیٹ نمبر جانتے تھے، نہ ہی بلڈنگ کا نام اور اس گنجان آباد اور پررونق مارکیٹ میں بھی درجنوں بلڈنگز میں رہائش پذیر تینکڑوں بلکہ ہزاروں افراد میں سے کسی ایک کو نامبل میں سہارنے مخصوص نہ تھا۔ نامکن کی بات تھی۔

اگر وہ ایسی کوشش کر بھی لیں تو اتنی جلدی کامیاب نہ ہوں گے۔ ابھی تو شام تک ابو اور احسن بھائی گھر آئیں گے، تب جا کر بھائی میزی شکایت لے گیں گی۔ پچھے دیر تک تو بحث مباحث اور کرماگری ہو گی۔ میرا انتظار کیا جائے گا۔ رات گیارہ بجے کے بعد بھی اگر میں گھر نہ پہنچا، تب میری تلاش کے بارے میں سوچا جائے گا لیکن اتنی رات کو وہ لوگوں کے دروازے گھنکھانے کے تو زائر کا پتا پوچھنے سے رہے۔ تھک ہار کر صبح کا انتظار کیا جائے گا اور صبح سوریے کی رُنی سے میں لاہور سے نکل چکا ہوں گا۔ چوبیس گھنٹے تک اندر اندر میں انہیں فون کر کے خوشخبری سناؤں گا پھر ایسی معمولی سی انگوٹھی کے بارے میں ان کی تشویش کیا معنی رکھے گی۔ اشارت سے ہی پندرہ ہزار تکواہ فرم کی جانب سے اسلام آباد میں ہی رہائش اور گاڑی سے سارے شکوئے دور کر دیا گا اور ابو کے

وہ طی، ہی دل میں پلان بنانا ٹائیلی کیٹ چالیتے۔ کادر دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو جائے نماز۔ بہ میں گراہہ نسوانی وجود اسے بری طرح چونکا تھا۔ اس کے چونکے کو وجہ ایک لڑکی کافلیٹ میں ہوتا نہیں تھا۔ اگر اب تک وہ صرف زائر کافلیٹ ہوتا تو وہ صرف یہ ہی نہ ہوتا بلکہ مارے حیرت کے فوت ہو جاتا تھا۔ علی کے آنے کے بعد وہ یہاں کسی بھی بات کی نہ کر سکتا تھا۔ اس کے حیران ہونے کی وجہ اس لیل، حلیہ اور اس کا جائے نماز پر حالت نماز میں ہوتا تھا۔ ذرا سا اور آگے بڑھا۔ سیاہ عبا کے ہالے میں لپڑاں پاکیزہ اور معصوم چڑھہ مکمل طور پر آنسوؤں سے بیکا۔ شما۔ وہ باقاعدہ ہچکیاں لے کر رورہی تھی پھر اس تک کے لیے ہاتھ اور اٹھا دیے۔ ہچکپوں کی زد میں آیاں ا لرزیدہ وجود اور مرتش آواز احد کو دروازے کے قبضہ ہی سحر زدن سا کر کے باندھ گئی۔ دعا میں چند نوٹ پھونکے الفاظ سے اسے اندازہ ہوا کہ وہ وکی لڑکی نہیں۔ جیسی کہ شیر علی کو دستی کرنے کے لیے دستیاب ہ کریں تھیں۔ وہ شاید کسی غلط فہمی کی وجہ سے۔ ا انجانے میں دیلیں آئی تھیں اور اب خود کو بے ابر محسوس کر رہی تھی۔ اس کی گریوز اسی احد کے دلہ بوجھن کر گرنے لیتی۔

”اے اللہ! میرے لیے وہ کرنا جو تیرے نزدیک میرے لیے بہتر ہو۔“

اتنا کہہ کر اس نے ہاتھ آئیں کے ساتھ چڑھتے پھیرتے ہوئے اسے متورم پوٹھے اٹھائے تو سات اس کا کڑنک کھانے آئی۔

”آپسے تم کون؟“ احد بہت مشکل سے اتنا کہہ پایا جبکہ وہ کوشش کے باوجود اتنا بھی کہہ سکنے کے قابل نہ تھی۔ اس کی دگر گوں حالت بتاری تھی کہ اتنی ”کھلی“ ہوئی نہ تھی کہ ایک اجنبی مرد کے سات خود کو تھائی میں پا کے بات چیت کرنے کی بہت کر سکے۔ قریب تھا کہ وہ عُش کھا کر گرجاتی دروازے پر ہونے والی زوردار دستک نے دونوں کو ہٹر بٹا کے رکھ دیا۔

نک دینے کا اندازہ تو زائر کا تھا، نہ ہی شیر علی۔ پہ بھی جانتا تھا کہ ان دونوں کے پاس ڈپلی کیٹ لیل ہے، اس کے باوجود ہر بڑا ہٹ میں وہ فوراً۔ ”لمحول بیٹھا۔ سامنے ایک ہجوم نظر آیا۔ آشنا اور اپنوں کا۔ سامنے والے فلیٹ میں رہنے والے اسی، برابر کے فلیٹ والی عمر سیدہ نرس، داسیں اسی، برابر کے فلیٹ والی عمر سیدہ نرس، داسیں اس کی وردی میں لمبسوں افراسیہ ایک لیدی بیٹھے موجود تھی۔ احمد کے ہاتھوں کے طوطے پہلے بھی موجود تھی۔ احمد کے ہاتھوں کے طوطے کیں۔ آنکی آن میں وہ سارا معاملہ سمجھ گیا اور اس میں اپنے اپنی پوزیشن محسوس کرتے ہی اس کے مطابق اسی پہلے بھی جواب دے گئے۔ ایک کافلیٹ نے دھکا دھنہ پر بھیجی کیا۔

”اوے چل لگ کونے میں۔“ ”وہ رہی لڑکی۔“ نرس نے ہاتھ کے اشارے سے سب کی توجہ برآمدے کے آخری کونے میں کھڑی تھی اس دوسری باختہ لڑکی کی جانب مبذول کر دی جو دیوار پر ٹکی، ہٹر تھر کا نتیجہ جو دو کے ساتھ خوبی پر گزرنے والی من قیامت کی تباہ کاریاں دیکھ رہی تھیں۔ اس نے نہ نماز کو سینے سے بھیج رکھا تھا۔ چرپے پہ آنسوؤں کے ہاتھ میں وہ چیز دکھ کر جو دوستی کے قابل تھی اسی کی کار اور زمانہ شناس نگاہیں اس لڑکی پر مرکوز کیے جو اس وقت انتہائی مختلک حالت میں یہاں موجود تھی۔ اس کا چھوڑ کریں سے بھی اس بات کی چخلی نہیں کھا رہا تھا کہ وہ ایسے کروار کی ہو سکتی ہے۔ نہ ہی اس کے آنسو پکڑے جانے پر چوروں کے بھائے ہوئے آنسو تھے۔ اس نے ایک بار پھر اپنے ساتھ آئے لوگوں کی طرف سرخ کیا۔

”یہ چکر کیا ہے لیلی؟ کمیں تم نے غلط اطلاع دے کر کوئی دشمنی تو نکلنے کی کوشش نہیں کی؟“ اس کا سوال عمر سیدہ نرس سے تھا جو فوراً چمک کے بولی۔ ”یعنی ایک یہی تسلی تھی۔“ ہوں۔ سچ سچ بتا۔ ”ہماری ان لوندوں سے کیا دشمنی اور یہ کوئی پہلا لڑکے دسری تسلی کمال اڑائی ہے۔“ اس کا زوردار تھپڑاحد کے چڑھے پہ لگاؤہ لڑکھڑاکر واقعہ تو نہیں، پچھلے کچھ عرصے سے اس فلیٹ پر دیا۔

مشکوک سرگرمیاں جاری ہیں۔ آئے روز کوئی نہ کوئی لڑکی جاتی یا نکتی دکھالی دیتی ہے۔ چھترے لڑکوں کے فلیٹ میں جوان فیشن زندگی کا کیا کام؟ اور اندر سے تھقنوں ہانے بجائے کی آوازیں بھی آئی رہتی ہیں۔ آپ بے شک ان دوسرا پڑوسیوں سے تصدیق کر لیں۔

”کیوں لڑکے کون ہے پیسے کیا لگتی ہے تیری؟“ انسپکٹر نے نہیں۔ مگر احمد کو ایک اور ہوکماری وہ نفی میں سرلاکر رکھا۔ ”لوچی، ہو گئی تسلی۔ کوئی سمجھی نہیں ہے اس کی۔“ ہو گئی کوئی بازاری عورت۔ ”کسی نے انسپکٹر کو جایا۔ رہی سی کسر کر کے میں مزید تلاشیں لیتے کاشتیل نے پوری کردی۔ وہ شراب کی کچھ بھری کچھ اُدھی خالی بوتلنیں لیے برآمد ہوا۔

”سرگرمیاں نہیں۔“ سرگرمی کافی تھیں۔ جس کے بعد سے سکریٹ بھی کافی تعداد میں موجود ہیں اور بلیو پرنٹ نہ کی، اس لیے انسپکٹر نے یقین کرنے میں دیر نہ کی۔ البتہ ابھی وہ اتنی آسانی سے سارا قصہ نہ سمجھ سکتا۔

”اور یہ لڑکی بھی اسے جانتے ہو۔ اگر احمد تمہارے پلکا پلکا حدود آرڈیننس کا کیس ہے۔“ انسپکٹر کے الفاظ وہ آخری الفاظ تھے جو اس نے مکمل ہوش و حواس میں نہیں اور اس کا بھی وجود ایک جانب ہے، وہ تو اس وقت لڑکا گیا۔

”کون ہیں یہ لوگ؟“ انسپکٹر نے دروازے پر کھڑے ہجوم کو چیز کر اندر آئے کی کوشش کرتے ہیں ایک اور کوشش ایک اس نے فصلہ سناریا۔

”تھاں جائے بغیر تو آپ کی خلاصی نہیں،“ وہ اسکے پاس جائے گی۔ ”یہ میرا فلیٹ ہے سڑا۔“ زار نے آنکے بڑھ کر کہا۔

”تھے میرا دوست احمد ہے۔ اس کا اس فلیٹ سے کوئی تعاقب نہیں۔ یہ فلیٹ میں اور میرا کزن شیر علی شیر کرتے ہیں جو اس وقت یہاں رک کر دوسرے شخص کا انتظار کرتے ہیں۔“ خالی ہے یہ ساری صور تھمل اس کی پیدا کردا ہے سیے لوگ جو یہاں آپ کو لائے ہیں۔ اس بات کی گواہی دیں گے کہ میں قبح کا پیشور تھی کے لیے نکلا شام کو

اپنے آفس میں جوچ کے نام پر روکے پھیکے اس نیکس چائے کے ساتھ نہ کننا ہوتے ہیں ان کے بجائے پلاو، بڑیانی پسندے، روٹ وغیرہ میرے لیے عیاشی ہی تو ہے اور وہ بھی ایسی دلرباکی یہوی کے خوبصورت اور پیار بھرے ہاتھوں سے تیار کرتے۔

اور اس کی آپ کمیکے اور سرال سے دور۔ اس نے تھا اور جیسے اس نے احمد کو ایک پولیس والے الگ بالکل کٹ کر۔ ایک ایسے شوہر کے ساتھ رہتے ہوئے جو صحیح کے نوبخ سے لے کر شام کے جھبکے تک کا وقت آفس میں گزارتا ہے اور رات کو ہجھکن کے مارے کہیں نکلنے کے لئے تیار نہیں، ہوتا۔ سبنتے کے اس ایک دن کی شام کو خوش گوار طریقے سے گزار لیتا۔ ایک عیاشی ہی تو ہے۔

میں نے زیموٹ کنشوں سے اُن وی کی آواز آہستہ کی۔ میرے پیٹ پہنچ سرگرم کے اپنے ٹیڈی بیٹر سے کھیلتا مرتفعی اب اونچ رہا تھا۔ میں نے احتیاط سے اسے تکمیل کیا۔ اور اس کے ماتھے پار کیا۔ میرے اندر دوڑتک سکون ہی سکون پہلی گیا۔ اسے اس مختصر مگر خوبصورت گھر کے ہر کوئی پہنچ لے کا خوبصورت گھر میرا ہے۔ میرا۔ احمد علی نے پہلے ہی دبوچ لیا۔ اس کے بعد احمد کے لیے دوسرے مرحلے آسان ہونے میں وقت نہ لگا۔ جبکہ دویا۔ اس کے لیے؟

* * *

اسلام آباد کے اس قدرے متوسط۔ مگر بارونق مالے پشاور موڑ میں بنائے سبزرنگ کی بیویاروں، سبز بیشہ والی کھڑکیوں اور لائٹ براون گیٹ والا یہ پائچ مرلے کا خوبصورت گھر میرا ہے۔ میرا۔ احمد علی اسے اور ضویا علی کا۔ اور ہا۔ مرتفعی احمد کا بھی تو ہے، جو اس گھر کا مکین بس سات ماہ پہلے بنائے۔ اس گھر کا جس کا مکین بنے ہمیں بھی فقط چودہ ماہ ہوئے ہیں۔

”احمد،“ مرتفعی کے ڈانبرز ختم ہو رہے ہیں۔ مجھے یاد لرا دیجئے گا۔ یہ نہ ہو ہمیشہ کی طرح مارکیٹ سے گھوم ہم کر آجائیں اور ضروری اشیاء بھول جائیں۔“

یہ پا آواز بلند یاد بالی، میری چیتی بیکم ضویا علی نے اپنی ہے۔ جو اس وقت پہن میں روپر کے کھانے کی تیاری کر رہی ہے، آج چھٹی کاروں ہے اور وہ اس دن ایسے ہی صحیح سے کام میں جست کر مجھے مزید اس سائچ راتی ہے۔ بد لے میں، میں شام کو اسے آؤٹنگ پر لے جاتا ہوں۔ چھٹی والے دن یہ ہم دونوں کی واحد آفرت ہوتی ہے۔ اس کی بھی اور میری بھی۔

دوسرابیڈروم فی الحال گیٹ روم پر اسٹڈی روم میں تھا۔ گیٹ روم اس لیے کہ بھی بھی کوئی بھولا بھٹکا

شیر علی تورین کے ساتھ ڈھیروں شانگ بیگ اسماں سے سیر ہیاں چڑھنے کو تھا کہ کسی غیر معمولی انسان کے پیش نظر اس نے یونی نظر اٹھا کر اور اپر لیما۔ گولائی میں گھوم کے جاتی تنگ سیر ہیوں کے اور دس پندرہ لوگوں کا ہجوم یعنی اس کے فلیٹ کے امنے تھا اور جیسے اس نے احمد کو ایک پولیس والے لے زخم میں پریشان پایا تو معااملے کی تھے تک پہنچنے میں اسے درزہ تکی۔ اس نے نورن کا ہاتھ تھاما اور ملٹن کا تھا کہ زائر کی نگاہوں کی زد میں آگیا۔ مستعد کاشتیل نے ملک جھمکتے میں سیر ہیاں اتر کر اسے فرار ہونے سے پہلے ہی دبوچ لیا۔ اس کے بعد احمد کے لیے دوسرے مرحلے آسان ہونے میں وقت نہ لگا۔ جبکہ دویا۔ اس کے لیے؟

وابیں آتا ہوں۔ آپ میری کیمپس کے ریکارڈز، حاضری چیک کر سکتے ہیں۔ ویسے بھی میں اس فلیٹ، دوسلی سے زائد عرصے سے ہوں، بھی کسی کو شکا کا موقع نہیں ملا۔ یہ ساری گز روتب سے ہے۔ شیر علی نے اس فلیٹ میں رہنا شروع کیا۔ میں اس نصابی مصروفیات کی وجہ سے اس حقیقت سے بے رہا۔ مجھے اس جانب متوجہ کرنے والا بھی احمد علی تھا میرا قربی لوست ہونے کی وجہ سے اس فلیٹ کی نما کیٹ چالی اس کے پاس رہتی ہے مگر وہ یہاں صڑا ہے۔ میری اجازت سے آتا ہے۔ آج بھی میں نے ہی اسی آنے کے لئے کما تھا۔ مجھے شیر علی کی حرکات، ملکوک لگ رہی تھیں، اس لیے جائزہ لینے یہاں بھیجا۔“

زار نے جلدی جلدی چیج میں مصلحتاً ”کچھ جھوٹ کے آمیزش کرتے ہوئے وضاحت کی۔ چونکہ اس کے بیان کی تردید وہاں گواہی کے لیے آئے تھی شخص نہ کی، اس لیے انسپکٹر نے یقین کرنے میں دیر نہ کی۔ البتہ ابھی وہ اتنی آسانی سے سارا قصہ نہ سمجھ سکتا۔

”اویہ لڑکی بھی اسے جانتے ہو۔ اگر احمد تمہارے پلکا پلکا حدود آرڈیننس کا کیس ہے۔“ انسپکٹر کے الفاظ وہ آخری الفاظ تھے جو اس نے مکمل ہوش و حواس میں نہیں اور اس کا بھی وجود ایک جانب ہے، وہ تو اس وقت لڑکا گیا۔

اس سوال کا جواب زائر کے پاس تھا نہ احمد کے پاس، یا عاجی نے انسپکٹر کو قابل کرنے کی ایک اور کوشش ایسکے لیکن اس نے فصلہ سناریا۔

”تھاں جائے بغیر تو آپ کی خلاصی نہیں،“ وہ اسکے پاس جائے گی۔ ”یہ میرا فلیٹ ہے سڑا۔“ زار نے آنکے بڑھ کر کہا۔

”تھے میرا دوست احمد ہے۔ اس کا اس فلیٹ سے کوئی تعاقب نہیں۔ یہ فلیٹ میں اور میرا کزن شیر علی شیر کرتے ہیں جو اس وقت یہاں رک کر دوسرے شخص کا انتظار کرتے ہیں۔“ خالی ہے یہ ساری صور تھمل اس کی پیدا کردا ہے سیے لوگ جو یہاں آپ کو لائے ہیں۔ اس بات کی گواہی دیں گے کہ میں قبح کا پیشور تھی کے لیے نکلا شام کو سروہ۔ وہ دیکھیں شیر علی۔“ وہ رہا۔

ہوتا۔ ہاں بہتر تو اب بھی ہے، تباشد بہترین، امی میری شرمندگی کو اپنی آنغوٹ کی گرفتی میں سمیٹا۔ میرے حوصلے بڑھاویں پیش توراستہ اور بھی سل ہو جا، ابوالانقلی تھام کر راہ بتاتے تو میں منزل پر وقت سے، پہنچ جاتا مگر اپسانہ ہوا۔ مجھ سے محبت کی وہ حرار، چھپتی جا رہی تھی میں ایک سرو جھیل میں ڈوبتا جا رہا تھا، میرا گھر میرے لیے ایک سرو جھیل تھا۔

ضویا بھی کسی سرو جھیل کی بابی تھی۔
شاید ہمارا میل ایسے ہی لکھا تھا۔

سرد جھیل نے اس کے بھی دل پر برف جما دی تھی اور میرے بھی اس کی سوچنے بھختی کی صلاحیتیں بھی جنم چکی تھیں اور میرے اندر سے بھی بڑے بھلے کی؟ منوں برف تلے چھپ گئی تھی۔ وہ بغیر سوچ سمجھے کہ سے نکل پڑی اور میں نے بغیر متانج کی پرواہ کیے بھاہیں کی انگوٹھی چراں۔ وہ گھر سے فرار چاہتی تھی۔ چانس، چند گھنٹوں کے لیے ہی سی۔

اور میں میسے میں اپنے جینے کی کوئی سیل چاہتا تھا۔ چاہے کسی بھی طریقے سے۔ کسی بھی طرح میں، ملازمت ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتا تھا۔

طریقہ اس کا بھی غلط تھا میں، میرا بھی میسے لیکن چونکہ ابھی ہمارے دلوں پر ضرف برف بنی تھی، سیاہی نہ پھیلی تھی، اس لیے اللہ نے ہمیں بیٹا، سے بچالیا۔ ہمیں نہ صرف بخش دیا بلکہ انعام کے لئے پر ایک دوسرے کی ہمراہی بھی بخش دی۔ اس کا شکر، ادا کرتے ہم دونوں نہیں سکھتے اور کیوں نہ شکر، ادا کریں۔ کیا یہ ہماری توقع نہیں بنت زیادہ نہیں؟

اس دن، ان بد ترین حالات میں گھرے کیا، دونوں یہ تصور بھی کر سکتے تھے کہ وقت ہمارے حق پر کروٹ لے سکتا ہے۔

اگرچہ زائر نے بروقت آگر بہت سی باتیں واشن کر دی تھیں۔ شیر علی کے پکڑے جانے سے بھی میری یوزیشن صاف ہو گئی تھی۔ زائر کے پاء جی نے بلڈنگ کے دیگر مکینوں سے مذاکرات کر کے پرچہ واپس لیا۔ بھی مجبور کر دیا تھا، اس طرح شیر علی پر حدود کا مقدمہ بننے بنتے رہ گیا۔ شاید انہوں نے اس سلسلے میں

مہمان اسی کرے کے سنگل بیڈ پر آرام کرتا اور اسٹڈی روم اس لیے کہ اس کے ایک کونے میں رانٹنگ نیبل اور کمپیوٹر کھا تھا۔ اور بھی بہت کچھ تھا میرے گھر میں ضویا کی ہنرمندی اور سلیقے کی چھاپ لئے اس کے علاوہ۔

محقرے پورچ میں کھڑی میری سینڈپنڈ مران۔

یہ سب میں نے ایکدم حاصل نہیں کیا تھا، ان سب کے لیے بھتی خاصاً انتظار کرنا پڑا تھا۔ تعلیم مکمل کر لینے کے بعد پورے ڈھائی سال تک ملازمت کے لیے جو تیاں چھکاتے پھرنے کا تجربہ کیا ہوتا ہے، اس کا اندازہ صرف وہی نوجوان کر سکتے ہیں جو میری طرح اس دور سے گزر چکے ہوں۔ مجھے جیسے متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے فرد سے وابستہ تمام لوگ بھی ویسے ہی ہوتے ہیں جیسے میرے ماں باپ بھائی بھن تھے۔

وہ بھی مجھ سے پیار کرتے تھے جیسے کہ بھن کے ماں باپ کیا کرتے ہیں لیکن ہمارے طبقے میں توقعات زیادہ ہوتی ہیں، محبت کاظمار کم۔ یہ امیدیں اتنی زور آور اور قد آور ہوتی ہیں کہ پیار ان کی اوٹ میں زراچھپ سا جاتا ہے۔ جب یہ امیدیں پوری ہوتی نہ نظر آئیں تو جھنگبلاہٹ رفتہ بیزاری میں بدلتی جاتی ہے۔ اس میں قصور توقعات رکھنے والوں کا ہوتا ہے نہ توقعات پر پورا نہ اترنے والوں کا۔ یہ سارا کھیل توجہات کا ہوتا ہے جن سے وہ گزر رہے ہوتے ہیں۔ یہ حالات ان سے صبر کریں، برداشت اور مناسب وقت کا انتظار کرنے کا حوصلہ چھین لیتے ہیں۔

یہی میرے ساتھ ہوا تھا۔ احسن بھائی نے اپنی شادی کے بعد جس طرح پینٹر ابدالا تھا، امی اور ابو دونوں نے اپنی بالی ماندہ عمر کی ساری امیدیں مجھ سے باندھ لی تھیں۔ وہ نہایت بے چینی سے میرے شر آور ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ اپنی کیا یہ بے چینی ان کے ہر ہر انداز سے چھٹک رہی تھی اور میں چڑھتا۔ مجھے اپنے ناکارہ ہونے پر اور غصہ آنے لگتا۔ اپنا آپ ان کے سامنے لے جاتے ہوئے ایک شرمندگی سی آن گھیرتی۔ ایسے میں اگر وہی خود پر قابو پا کے مجھے سنبھال لیتے تو آج شاید میری زندگی میں سب کچھ اور بھی بہتر

کے ہاتھ کی پشت پر بوسہ دیا۔ امی کے بعد مجھے ان کا سارا دم ختم نکلا محسوس ہو رہا تھا۔

”بھی نہیں، مجھے احسن کا ظرف کچھ اور آزانہ ہے“ وہ درد سے مسکراتے اور میرے اصرار کے باوجود نہ آئے۔

ضویا نے اسلام آباد آگر میرے مقام کو گھر بنایا۔ وہ خود بھی دیکھتے ہیں دیکھتے دنوں میں بدل ہی۔ ابو ہمیک کہتے تھے۔ اسے تحفظ مان اور محبت کی ضرورت نہیں۔ وہ نکھڑتی ہی اور میری زندگی کو نکھڑاتی ہی۔

”مرتضیٰ کا ایک اور دانت نکل آیا۔“

واکر تھے ہوئے اس نے بے حد جوش سے مجھے اطلاع دی۔ میں چلتے چلتے رک کر بخوبی کے بل بینہ کر پر ام میں سلوں سے لیئے مرتفقی کے نئے نویلے دانت کو جیک کرنے لگا۔

”کہا کرتے ہیں آپ! راستے میں دیکھنا ضروری ہے کیا؟“ گھر چل کے بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

”تم بھی تو ہر جا کے بتا سکتی تھیں۔“

”مجھے ابھی ابھی یاد آیا تھا۔ آپ کو پتا تو ہے میں اکثر ضروری باتیں کہتا ہی بھول جاتی ہوں۔ ارے ہاں... یاد آیا۔ آپ آفس میں تھے تو ابو کافون آیا تھا۔ صرف اتنا کہا کہ احد سے کہنا، احسن کو آزمایا ہے یہ کوئی بات ہوئی ہے کیا؟“ اس نے مجھے سے خاصی تشوش میں پوچھا۔

”احسن بھائی کو آزیانے کا کیا معہ ہے؟“

”یہی کہ اب میری باری ہے اور ضویا۔ میں اس آزمائش میں پورا اترنا ہے۔“

”کیا مطلوب؟“

”مطلوب یہ کہ ابواب ہمیشہ کے لیے ہمارے پاس آنے والے ہیں۔“

”واقعی۔“ وہ بے تحاشا خوش ہو گئی۔

”مطلوب وابس چلتے ہیں۔“

”لیکن انہی تو ایک راؤنڈر تھے۔“

”ہاں! لیکن مجھے سردی لگ رہی ہے۔“ میں نے ہاتھ سلٹتے ہوئے کہا۔

”بہت سردی۔ چلو اپنے گھر چلیں۔“

”اہیے۔ وہ چاہتے ہیں کسے؟“ وہ کچھ کہتے ہوئے اتنا۔

”اہ! تم اس لڑکی ضویا سے شادی کرو۔ اسے بھی ضرورت ہے اور تمہیں ساقی کی۔“

اہ نے بغیر تمہید کے اپنا مطالبہ میرے سامنے اس کی شادی کی تاریخ طے ہو گئی ہے۔ اکٹھ نکاح اور رخصتی ہے لیکن ضویا کا مسئلہ حل ہو رہا۔ اس کے بھائی اسے لے جانے پر تیار نہیں۔ اول میرے نکاح میں شریک ہوئے وہ مجھے کے نزدیک اس کا جرم قابل معافی نہیں۔ وہ، ۱۱ عذف کر کچکے تھے۔ ان کا رہا سما غصہ بھی میری رکی بلکہ پولیس تھانے کے چکر میں بھی بیڑی اسے دکی کامیابی نے ختم کر دیا۔ ان سے کی ہی اپنی انتہائی قابل اعتراض الزام میں۔ وہ اب تک، اسکے ازانے کی خاطر میں ضویا کو دیں ان سے گھر میں ہے اور ان کی حالت بہت خراب ہے۔ ۱۲ ہمہ را۔

رات تو اس نے خود کشی کی بھی کوشش کی۔“

میرے تصور میں اس کا پاکیزہ چڑھا گیا۔ نہ صدقہ بل سے اس کے لیے دعا کی۔ وہی دعا۔

”ام کے مجھے اور کرنے کا وقت تھا۔ اتنے میں ماتقل کی خبر آئی۔“

”میں بہتر ہو۔“

اکٹھ دن پھر سے زائر کافون آیا۔

”احد! ضویا کے والد انتقال کر گئے۔ ان

غم برداشتہ ہوا۔“

”اہ! اس لڑکی کے لیے وہ کرنا جو ارادہ ہے۔“

”میں اس کے بھائی سخت ہٹ دھرم اور

اندازے کی تقدیق کی۔“

اہس کے قریبی رشتے دار تک اسے رکھنے کے لئے

ہب کھلے اور برادری میں اس بد نصیب کے لئے

نہیں اس لیے رکھے ہیں۔ اس کی عزت تمہارے دم سے

نے ہاتھ جوڑ کے التجاکی ہے کہ اسے ہم اپنے

رکھ لیں۔“

”تو اس میں حرج کیا ہے، یہ تو تواب کا کام ہے۔“

”ہاں لیکن۔ تم نہیں سمجھتے یا رہا! ایک پر الی“

زہد داری، بست بڑی ہوئی ہے۔ اس لیے ایسی ا

ہے اگر اللہ نے اس بے چاری لڑکی کی ذمہ داری

ڈالی ہے تو ہمیں جلد از جلد اس فرض سے۔“

”اہ! آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں۔“ میں نے ان

”ہاں وہی ضویا، جو دوستی کے ہاتھوں اتنا ہا بیٹھی۔ نورین کے گھر والوں نے بھی اس کا کام نہیں کیا۔ اس کے ابا اس کا گاگا گھوٹھی ہے۔“

مگر خاندان والوں نے بیچ میں پڑ کر سمجھایا۔ اہ اہانت ہے، ان کے سپرد کرو۔ وہ جانیں، ان ۱۳

اس کی شادی کی تاریخ طے ہو گئی ہے۔ اکٹھ نکاح اور رخصتی ہے لیکن ضویا کا مسئلہ حل ہو رہا اور میں اام آباد آگیا مگر اکیلا۔ میری درخواستہ ابو

کے نزدیک اس کے بھائی اسے لے جانے پر تیار نہیں۔ اول میرے نکاح میں شریک ہوئے وہ مجھے

گھر سے بغیر اجازت باہر نکلی، ایک اجنبی مراسم رکی بلکہ پولیس تھانے کے چکر میں بھی بیڑی اسے دکی کامیابی نے ختم کر دیا۔ ان سے کی ہی اپنی

انہائی قابل اعتراض الزام میں۔ وہ اب تک، اسکے ازانے کی خاطر میں ضویا کو دیں ان سے چوری کے۔ میں باقی ہر معاملے میں بھی گناہ ٹابت

ہو چکا تھا۔ اس کے باوجود اگلی صبح تک کے اخبارات میں میرا نام ”اعمال لتعلقی“ کے اشتہار میں پھیپا ہوا تھا۔ امی کے مطابق ایسا انسوں نے احسن بھائی کے رباوہ کیا تھا۔ میں نے مان لیا یہ ضرور ایسا ہی ہوا ہو گا۔

ایک بیٹے کے ہاتھ سے نکلنے کے بعد وہ دوسرے سے بگاڑ کیسے پیدا کرتے۔

میں اس اشتہار کے بعد سخت بل برداشتہ تھا۔ زائر کے سمجھانے پہ میں اس سے اگلے روز اسلام آباد چلا گیا۔ مجھے ملازمت میں کئی تھی۔ میں خود کو گھر فون کرنے سے نہ روک سکا لیکن احسن بھائی نے مجھے کسی سے بات نہ کرنے دی۔ میں یہ خوشی کسی کے ساتھ شیر کرنا چاہتا تھا۔ میں نے زائر کو فون کیا، وہ اپنے گھر سیالکوٹ جا چکا تھا۔ میں اس کے پار جی کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہتا تھا، جنہوں نے مجھے یہ ملازمت دلوانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ وہیں زائر سے پتا چلا کہ پاء جی ابھی تک ضویا کے گھر والوں کو اس بات پر رضامند کرنے میں مصروف ہیں کہ وہ اپنے گھر کی بیٹی کو معاف کر کے اسے پھر سے اپنی بنا میں لے لیں۔

”ضویا؟“ اس لوگوں کے عرصے میں، میں اس لڑکی کو تو بھول، ہی گیا جس کے بارے میں شیر علی کے ذریعے اسی رات پتا چل گیا تھا کہ وہ بھی میری طرح حالات کے چکر میں پھنس کر چکرائی ہوئی ہے۔

تعقات، سفارش اور رشوٹ سے بھی کام چلایا ہو۔ جرم اگرچہ شیر علی کا تھا لیکن پرچہ کٹ جانے کی صورت میں زائر بھی زد میں آسکا تھا اور میں تو ویے بھی اس میں ملوث ہو چکا تھا، اس لیے بات کے دب جانے سے ہم سب کو فائدہ ہی پہنچا۔

لیکن جب بات میرے گھر تک پہنچی تو احسن بھائی نے اسی وقت مجھ سے لائقی کا اعلان کر دیا۔ ان کی پیوی اب تک بورے خاندان میں یہ مشترک ریکھی تھیں کہ میں نے یعنی ان کے آوارہ، شرائی، نکتے اور لفڑیے دیور نے ان کا زیور چرا لیا ہے۔ ابو جی تھانے تک آئے ضروری اور صلح صفائی۔ سمجھوتے کی ساری ذارروائی ان کے سامنے ہی ہوئی۔ سوائے انگوٹھی کی چوری کے۔ میں باقی ہر معاملے میں بھی گناہ ٹابت

ہو چکا تھا۔ اس کے باوجود اگلی صبح تک کے اخبارات میں میرا نام ”اعمال لتعلقی“ کے اشتہار میں پھیپا ہوا تھا۔ امی کے مطابق ایسا انسوں نے احسن بھائی کے رباوہ کیا تھا۔ میں نے مان لیا یہ ضرور ایسا ہی ہوا ہو گا۔ ایک بیٹے کے ہاتھ سے نکلنے کے بعد وہ دوسرے سے بگاڑ کیسے پیدا کرتے۔

میں اس اشتہار کے بعد سخت بل برداشتہ تھا۔ زائر کے سمجھانے پہ میں اس سے اگلے روز اسلام آباد چلا گیا۔ مجھے ملازمت میں کئی تھی۔ میں خود کو گھر فون کرنے سے نہ روک سکا لیکن احسن بھائی نے مجھے کسی سے بات نہ کرنے دی۔ میں یہ خوشی کسی کے ساتھ شیر کرنا چاہتا تھا۔ میں نے زائر کو فون کیا، وہ اپنے گھر سیالکوٹ جا چکا تھا۔ میں اس کے پار جی کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہتا تھا، جنہوں نے مجھے یہ ملازمت دلوانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ وہیں زائر سے پتا چلا کہ پاء جی ابھی تک ضویا کے گھر والوں کو اس بات پر رضامند کرنے میں مصروف ہیں کہ وہ اپنے گھر کی بیٹی کو معاف کر کے اسے پھر سے اپنی بنا میں لے لیں۔

”ضویا؟“ اس لوگوں کے عرصے میں، میں اس لڑکی کو تو بھول، ہی گیا جس کے بارے میں شیر علی کے ذریعے اسی رات پتا چل گیا تھا کہ وہ بھی میری طرح حالات کے چکر میں پھنس کر چکرائی ہوئی ہے۔

فوراً "بھلپ جاتے کہ ہونہ ہو مہوش کو بھڑکانے میں اس کا ہاتھ ہے۔ سو وہ بھائی کے نکتے ہی سع "مال مسروقہ" کے دیاں چلا آیا۔ جمال زائر اور شیر علی کے الیف کی سکرچ بائکسز میں منہ دیے بیٹھے تھے۔

احد کے منہ میں رات کے باسی آلو مڑ کے سالن کا ذائقہ بد مرگی بھرنے لگا۔ زائر کی دعوت پر وہ شریک ہونے کو تھا کہ شیر علی کی بات نے اس کے بڑھتے ہاتھ روک دی۔

"مجھے پتا ہوا کہ تم روز دبیر کے کھانے پر اصر ہی ہوتے ہو تو ایک اور بچ بس پیک کر والا تھا۔ میں توہاں بھی کھاس کتا تھا لیکن سوچا زائر کے لیے بھی لیتا چلوا۔ بے چارہ نان چھوٹے اور وال جاول کھا کر نگہ آگئی ہو گا۔"

یہ جانے کے بعد لمحہ شیر علی کی طرف سے ہے۔ اس نے مخفی زائر کی پیشش کو کافی نہ سمجھا۔ ظاہر ہے کہ دوست توہہ صرف اسی کا تھا، حالانکہ احد کی عادت تھی جلد بے تکلف ہو جانے اور دوست بنائیں کی مگر مجھے کیوں شیر علی میں ایسی کیابات نہیں کی جو اسے پیش قدمی سے روک دیتی تھی۔ اس کے اندر ایک خاص نام کی ہو سیاہی جو زائر تو زائر احمد جیسے کے لاہوری کے اندر بھی متفقہ تھی۔ بھی بھی توہاں کے شاخانہ شاخائیں باٹھ اور "وسیع بھرہ" کی حامل غنائم کو آئے انہیں اپنا آپ معمول سالگا۔

"یہ کی دُلی پلیسِر" وہ تمسخرانہ انداز میں ہے۔ "بڑا معمول سا ہے، کہاں سے لیا۔ مال روڈ کے کسی ستے سے اشال سے قسطوں پر لیا ہو گا۔ اب تو یہ عام ملتا ہے، زیادہ سے زیادہ ڈھانی ملن ہزار میں۔ میرے پاس اور بچل جلپانی دُلی وی دُلی پلیسِر ہے۔ آج سے دو سل پہلے سولہ ہزار کا آیا تھا لیکن تمہارے لیے یہ بھی نہیں کہتے ہیں دروازے اوپر چڑھنے ہوں تو ہمیں نہیں پالنا چاہیے۔" وہ عجیب انداز میں ہے۔ احد کو سخت برالگا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔ جواباً "احد نے نہ، کے طور پر اسے چند ایسی کی دیز کے مخفی کورز دکما جن پر نظر ڈالتے ہی زائر توبہ کرنے لگا۔

"تم اس سے بات کرو۔ میرا تو پوچھنے کا کوئی نہیں مگر تمہارا بھر جا ہے۔ یہ تمہارا آگر ہے، تیر کر دے۔ تم اس سے باز پر میں کر سکتے ہو۔"

بن کرو۔" صلح جو زائر بحث مبارحت سے بڑا گھبرا تا پیسے دفع کروں اور تم خود سوجہ، اسی کمرے میں نہیں بھی بڑی بڑی رنجشوں میں بدل جایا کرتی ہے۔ شیر علی تو میرے چھا کا ہونے والا دام بھی ہے۔ اگرچہ رشتے داری دور کی ہے۔ یعنی چھی کی بسن کا بینا مگر میرے رشتے کی بسن کا منگیتھا ہونے کے ناتے وہ میرا ہونے والا بہنوئی ہے اور اس رشتے سے میں اس کا لحاظ کرنے پر بھروسہ۔

"یہ تم نے پہلے نہیں بتایا۔ اگر وہ تمہاری بسن کا منگیتھا ہے تو تمہیں اس سے زیادہ سختی برتنی چاہیے۔ درجنوں توہاں کی گمل فرینڈز ہیں۔ دیدہ ولیری دیکھو، تمہارے گھر میں بیٹھ کر تمہارے سامنے وہڑلے سے ان سے دوستیاں نبھاتا ہے۔"

"یار! جھوڑو اس ذکر کو۔ تم نہیں سمجھو گے، میں تو نورین کا چھاڑا دبھائی ہوں۔ اس کے سکے بھائی بھی اس کی روشن اور جال چلن سے واقف ہوں گے مگر ہمارے ہاں اس چیز کو قابل توجہ نہیں گردانا جاتا۔ صرف حسب نسب ذات برا دری کا ایک ہونا اور صاحب جائیداد ہونا دیکھا جاتا ہے۔ بچپن کی مغلنی اور پھر وئے ہئے کا چکسے کوئی ایک مصیبت ہے۔"

اس کے بعد احمد نے شیر علی کی مصنوفیات اور دلچسپیوں پر الجھنا جھوڑ دیا۔ البتہ وہ خود کو حیران ہونے سے باز نہ رکھ سکا۔ اپنی بول چال، رہن سن، اشائل، ہر لحاظ سے خود کو پینڈو ٹیابت کرتے شیر علی کی شخصیت میں آخرالیں کیا ہاتھ تھی جوڑ کیاں اس کے جال میں پھنس جایا کرتی تھیں۔ شاید یہ کرشمہ اس کے والد میں ہر وقت موجود ہزار ہزار کے کئی نوٹ دھکایا کرتے تھے یا نئے ماذل کے مئنے موبائل فون، سن گلاس اور رست و اچز۔ وہ قسمی لباس خریدتا تھا یہ الگ بات کہ اس کا ذوق اور پسند پینڈوں کی جھلک دکھاتے تھے، لیکن اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔ وہ خود فضول رنگوں کے لباس پہنتا تھا مگر انہیں تو منکے بو تیکس کے ڈریں گھٹ کر سکتا تھا۔ "کھاتا" بے شک اجد انداز میں تھا مگر "کھلاتا" تو اونچے ریشور نش میں تھا۔

اپنے دفع کروں اور تم خود سوجہ، اسی کمرے میں نہیں بھی پڑھ لیا کرتے ہو۔ کیا تمہیں گوارا ہو گا ان کمرے میں ایسی چیزیں موجود ہوں۔" اس نے پہنچ کر قابل کر لیا۔ اس کا بھی خاص نامہ نہ انسایر علی بھڑکیا۔

"اہ، تمہارا دوست ہے، اس لیے لحاظ کر لیتا ہوں، مجھے ہرگز یہ پسند نہیں کہ کوئی میری چیزوں کو ہاتھ کے "دوست" کون تھے۔ زیادہ تر فون لڑکوں ہوتے، لاہور سے بھی اور بھی کبھار سیاہ کوت اس کے ایک تو اپر سے سینہ زوری والے روپیے پر سخت تاؤ ہاگا۔

"یار! یہ غیر موجودگی میں اور بغیر میری اجازت اس نے میری چیزوں کی تلاشی آخر کس مقصد کے مل؟"

"اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے اس سی کو گرم اس لیے کر رہا تھا کہ اصل مسئلے سے لے اوجہ ہٹ جائے اور یہی ہوا۔ جب شیر علی نے اسے اس کے لائف کہہ دیا کہ اگر اسے اس کے لائف اعتراف ہے تو وہ اپنا الگ انتظام کر لیتا ہے تو انہوںرا" کہا تھا۔

"یار! میں نہ تو صرف ایک بات کی تھی۔ تم تو اپنی ہو گئے"

"میں، ناراض نہیں ہوں مگر زائر اسی بات پر اس لیے صفائی نہیں پیش کر سکتا کہ میں ے فلیٹ پر رہتا ہوں۔ الگ فلیٹ، میں آسانی انورڈ کر سکتا ہوں۔ خالو کو کہہ دوں گا، آپ کے اسے میری بھی نہیں۔"

ہی مشکل سے زائر نے اس ارادے سے باز ما۔

امد کو پتہ چلا تو وہ بھی بھڑکیا۔

"تمہیں ضرورت کیا تھی مبت کرنے کی۔ جاتا ہے

ضویا سے ڈیڑھ سال ہی برا تھا مگر وہ اس کے بھی مکمل رعب میں تھی بلکہ وہ تو خود سے چار سال چھوٹے حسام سے بھی دب جایا کرتی تھی جو ابھی سے بڑے بھائیوں کی دیکھا دیکھی اس کی ہر حرکت پر بلا تکلف اعتراض جز دیا کرتا تھا۔ اے نورین پر رنگ آتا جو بے چکری سے جی رہی تھی۔

ضویا کے بھائی تو صرف گھورنے، ڈپٹنے اور دھمکیاں دینے پر اکتفا کرتے، بچپن میں شاید بھی بڑے بھیانے ایک آدھ بار تھپڑا رہا۔ جبکہ اس کے پر عکس نورین بلاغہ بھائیوں سے کیا نہ کی بات پر پتی اور برابر زبان چلاتی۔

تو اتر سے بھائیوں کو بدوعالمیں اور کونے دیتی۔ وہ ضویا کو کبھی کبھی خست بری اور جالل لگا کرتی یہ ادا شاید اس نے اپنی ماں سے سیکھ لی ہو جسے اس کے شوہرنے ہیشہ جوتی کی نوک پر رکھا مگر اس کی جوتی کی زد میں رہنے کے باوجود نورین کی اپنے اپنادم خم کرنے ہوئے دیا اور زبان کے زور پر شوہر کے ساتھ مقابله بازی کرتی رہی۔ سارے خاندان میں ان کے معمر کے مشور تھے جبکہ ضویا نے دب جانے اور دبک جانے کی عادت اپنی اپنی سے لی تھی۔ یہ عادت اپنی پشتہ ہو گئی تھی کہ اب وہ نورین تک سے دبنے لگی تھی۔ اس کی چند ناپسندیدہ یاتوں پر ٹھکل کر نوکنے کے بجائے اس کی ناراضی کے خدشے سے دبک جایا کرتی تھی۔

”مگر تم اس سے ملیں کیسے؟“ کرے میں تھا۔

”بھا بھی زندہ بار۔“ وہ مکاری سے مسکرا لی۔

”یعنی تمہاری بھا بھی تھیں اس سے ملانے لے گئیں۔“ وہ پل بھر میں سمجھ گئی۔ آخر نورین کی بھا بھی شیر علی کی سکی بہن سی مگر پھر بھی ایسی حرکت کرنے کے لیے بڑا حوصلہ چاہئے۔ اس کی اپنی بھا بھی یا تو ایک بار کی تنبیہ کے بعد اب ضویا سے بد کرنے لگی تھی۔

”ہاں اور یا را! یہ بھا بھی بھی بڑی چیز ہے۔ اپنے ہی

گرمیوں کی تعطیلات تھیں، کانج بند تھے، شیر علی گھر نیا ہوا تھا مگر ملاقات کی سیل نہ نکل رہی تھی۔ اپنے نہ جب کل نورین کافون آیا کہ وہ شیر علی سے ملے تھی اور وہ اس کے لیے لاہور سے بے شمار تھا ناف بھی لے رہا ہے تو وہ بچت سے بے قرار ہو گئی کہ ایسا کیونکر ۱۰۰، ۰۰۰ مگر نورین کو شرمندہ ہونے کی ضرورت نہ پڑتی۔ وہ نمبر بھی بتاتی اور ایک مخصوص وقت بھی جس میں گھر پہ رسوب کے ساگ کی ڈنڈیاں توڑتے ہوئے اس پر کری نظر اور کان رکھے ہوئے تھیں۔

یہ ان کی برسوں پر الی عادت تھی کہ جہاں اس کا کوئی ان آیا، وہ قریب ہی کوئی نہ کوئی کام لے کر بظاہر صرف گھر حیثیتیاً ”اس کی چوکی کرنے لگتی۔ اب پہ عرصے سے یہ بھی ان کا معمول تھا کہ وہ اگر ایسی بھی بیٹھنی ہوتی تو وہ اس کا چڑھو کھوئنے لگتی۔ اسے اپنی لے اس انداز سے بڑی ابھیں ہوتی۔ اپنے بھی وہ ہوں ہل کر کے جلد از جلد فون رہنا چاہتی تھی کہ خود پر سلسل جبی ان کی نظریں اسے کنفیوز کر رہی تھیں مگر نورین کی اس بات نے اسے مجس کر دیا۔ نورین نے اس سے کہا کہ وہ اسے شیر کے دیے تھا فہمانا چاہتی ہے۔ ساتھ لانے میں مشکل ہے، اس لے ضویا خود اگر دیکھ لے۔

ضویا کو تو صرف لاہور سے آئے تھے دیکھنے کا شوق تھا۔ شیر علی اسے جتنا بھی برا لگتا ہو مگر ایک بات مانا ہے گی کہ وہ نورین کو کھنے بست قیمتی اور خوبصورت اپنا تھا، اپنے اس نے یہ بہانا بنایا کہ چھیوں کے اور اس پر چھپ چھپ کے ہونے والی چھڑی دو گھری کی ملاقاتیں دونوں بھیں یہ بچپن سے کھاتی چلی آ رہی تھیں۔ بالآخر تھے اسے اپنے سیروگی دین، ہی بننا تھا۔ کانج میں آنے کے بعد سرراہ اتفاق ہوئے والی گھڑی دو گھری کی ملاقاتیں اور فون پر چھپ چھپ کے ہونے والی گفتگو سے والی تھیں اور آج کے بڑھے اور اس کی ترغیب دلانے میں جہاں بڑا ہاتھ شیر علی کے اکسادیں والے مطابلوں کا تھا، وہیں نورین کی اپنی بے خوفی اور اندھی محبت کا بھی تھا۔

ضویا اس میں کسی طرح شریک نہ ہونے کے باوجود

چادر میں چھپا لیتی۔ جیولری اور میک اپ اس کے بیگ میں موجود ہوتا۔ ضویا کی طرح اس پر بھی اسکوں کے زمانے سے ہی کلاس فیلوز کو فون نمبر دینے پر پابندی تھی۔ ضویا تو نمبر مانگنے والی دوستوں کو اس پابندی کے پارے میں بتا کر شرمندہ سے انداز میں معدالت کرتی مگر نورین کو شرمندہ ہونے کی ضرورت نہ پڑتی۔ وہ نمبر بھی بتاتی اور ایک مخصوص وقت بھی جس میں گھر پہ اس کے بھائیوں اور ابویں سے کوئی موجود نہ ہوتا۔

شیر علی سے فون گفتگو کا آغاز کرنے میں بھی بچپن کی سی پالیسی کام آئی۔ شیر علی اس کا خالہ زاد اور بچپن کا مگنیتھا جو پہنچلے تین سالوں سے اب اس سے ذاتی راہور سم بھی رکھے ہوئے تھا۔ اس تعلق کی ابتدا اسکوں کے آخری دنوں میں ہوئی تھی۔ شروع میں ضویا کو برداخوف آتا۔ حالانکہ خوف زدہ تو نورین کو ہونا چاہیے تھا مگر وہ بے فکر تھی۔ شاید اس لیے کہ شیر علی کوئی غیر نہیں، اس کا مگنیتھا اور وہ شے کے نتیجے میں ہونے والی اس بچپن کی منتنی کے نوٹنے کا بھی خطہ نہ تھا۔ بھائیوں کو علم ہونے پر زیادہ سے زیادہ کیا ہوتا، دو چار تھپڑتے چوٹیں اکھاڑی جاتی۔ تو اتنی مارتودا دونوں بھیں یہ بچپن سے کھاتی چلی آ رہی تھیں۔ بالآخر تھے اسے اپنے سیروگی دین، ہی بننا تھا۔ کانج میں آنے کے بعد سرراہ اتفاق ہوئے والی گھڑی دو گھری کی ملاقاتیں اور فون پر چھپ چھپ کے ہونے والی گفتگو سے والی تھیں اور آج کے بڑھے اور اس کی ترغیب دلانے میں جہاں بڑا ہاتھ شیر علی کے اکسادیں والے مطابلوں کا تھا، وہیں نورین کی اپنی بے خوفی اور اندھی محبت کا بھی تھا۔

ضویا میں کسی طرح شریک نہ ہونے کے باوجود یقین رکھتی تھی۔ کانج کے فن قیمتیں شرکت کرنے کی اجازت اسے بھی ضویا کی طرح مشکل سے ملتی تھی، مگر وہ ضویا کی طرح بھائیوں کی تشدید کے خوف سے سارہ لیاں اور دھلے چرے کے ساتھ میں بازار نہیں اٹھ آتی تھی۔ خوبصورت لباس کو وہ پیروں تک چھوٹی بڑی سی

ڈالا کہ اگر وہ کنگ کرو اے تو زیادہ اچھی لگے گی۔ اس نے ضویا کو پلکنگ کرانے کی بھی پیشکش کی وہ سم کر رہیا کو دیکھنے لگی جو اچانک اٹھے اور جندہ بفتے کی دلیں کو سارے گھر کے سامنے تھثیر مار دیا۔ الزام یہ عائد کیا کہ وہ ان کی سیدھی سادی معصوم بہن کو اپنے جیسے پچھن سکھا رہی ہے، یعنی کی ترغیب دے رہی ہے وہ دن اور آج کا دن روحانہ بھا بھی نے بھی بلا ضرورت ضویا کو مخاطب تکنہ کیا۔ اس درجہ محتاط ہو گئی تھیں وہ ہمگر ضویا کا تھاںی کاشکار دل اور بھی بجھ گیا۔

بھائیوں میں رہتے رہتے ہیئتہ اسے بہن کی کمی محسوس ہوتی رہی۔ اس کے گھر میں میں ماں کو بیٹھوں سے قریب ہونے کی عادت نہ تھی۔

بھائیوں کی شادی کا فطری ارہان تو تھا ہی، یہ تمنا بھی تھی کہ بھا بھی کے آنے سے گھر میں بہن کی کیلی بوری ہو جائے گی۔ وہ دل، ہی دل میں کتنے عدد کرچکی تھی کہ آنے والی بھا بھی کیے بھی مزاج کی ہوئی، وہ اپنے طور پر دوستی میں کوئی کسر نہ چھوڑے گی۔ آخر کار وہ بھی اسے مند کے بجائے بہن یا سیلی کے طور پر قبول کر لے گی۔

روحانہ فطرت، ”اچھی اور مزاجا“ گھمل مل کے رہنے والی تھی مگر رہیا کی مداخلت نے دونوں کو نہ بھاونج کے روایتی منصب کھڑا کر دیا۔ وہ بیوی کو اس کے درجے پر رکھنے کے قاتل تھے، وہ بڑھتی عمر کے ساتھ ساتھ نورین پر ملے سے بڑھ کر انحصار کرنے لگی۔ نورین کے اور اس کے تکمیل ماحول میں زیادہ فرق نہ تھا، بس فطرت اور مزاج کا فرق تھا۔ نورین اس کی طرح سمجھوتہ کرنے والی اور منہار نے والی لڑکی نہ تھی۔ وہ

سیدھی انگلی سے تھی نہ نہنے پر انگلی شیرھی کر لینے پر یقین رکھتی تھی۔ کانج کے فن قیمتیں شرکت کرنے کی اجازت اسے بھی ضویا کی طرح مشکل سے ملتی تھی، مگر وہ ضویا کی طرح بھائیوں کی تشدید کے خوف سے سارہ لیاں اور دھلے چرے کے ساتھ میں بازار نہیں اٹھ آتی تھی۔ خوبصورت لباس کو وہ پیروں تک چھوٹی بڑی سی

رازداری کے بوجھ سے وہ آزاد تھی۔

اختشام بھی سو باتیں سنانے کے بعد اسے اگلی لگنے والی قصر تک چھوڑنے پر رضامند ہوا۔ اختشام